۷۸۶

بسلسلۂ مطبوعات ادارۂ شرقیہ دہلی

بحر الجواہر

اردو ترجمہ

جواہر البحور

برائی طلبہ امتحان منشی فاضل پنجاب یونیورسٹی

از

مولانا محمد ادریس صاحب پرنسپل ادارۂ شرقیہ دہلی

منشی فاضل، مولوی فاضل (میڈلسٹ) پنجاب یونیورسٹی، فاضل ادب آلہ آباد

فاضل دیوبند

ناشر

منیجر مکتبہ شرقیہ چاند بلڈنگ عقب جامع مسجد دہلی

(جمال پرنٹنگ پریس، دہلی)

بار اول ۱۰۰۰

قیمت عہ

۱۳۶۷۸

ادارہ شرقیہ

ایک تعلیمی ادارہ ہے جس میں پنجاب یونیورسٹی کے اردو فارسی اور عربی امتحانات کی تیاری ذمہ دار کہنہ مشق اساتذہ سے کرائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ حسب ضرورت کورس کی کتابوں کے تراجم اور نوٹس شائع کرنا بھی اس کے مقاصد میں داخل ہے۔

امتحان منشی فاضل کے سلسلہ میں ہر سال بی۔ اے (عربی) کورس طلبہ کو پڑھانا اور تیار کرانا پڑتا ہے کلاس میں سبق پڑھنے کے بعد یاد کرنے کے لئے طلبہ کو ترجمہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ گذشتہ بی۔ اے کورس (سمط الدرر) کے تراجم تقریباً ہر کتب فروش نے چھپوائے اور شائع کئے۔ مگر وہ سب کے سب اس قدر اغلاط سے پُر اور گمراہ کن تھے کہ دیکھ کر طلبا منشی فاضل کی کس مپرسی پر افسوس ہوتا تھا۔ اگر ہم کو ناشرین کتب کی دل شکنی کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں اُن عجیب وغریب اغلاط کو دکھاتے جو حضرات مترجمین نے اپنے ترجموں میں کی ہیں۔

امسال پنجاب یونیورسٹی نے "سمط الدرر" کی بجائے "جواہر البحور" کو داخل نصاب کیا ہے۔ اس میں فتوح البلدان اور مقامات کا انتخاب تو وہی ہے جو سمط الدرر میں تھا اور ان کے علاوہ دو باب نئے ہیں۔ طلبہ کی دشواریوں کے پیش نظر مولانا محمد ادریس صاحب پرنسپل ادارہ شرقیہ نے خود اس کا مکمل ترجمہ فرمایا جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس ترجمہ کے صحیح اور قابل اعتماد ہونے کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ اس کے مترجم مولانا محمد ادریس صاحب ہیں۔ اور مولانا سعید احمد صاحب ایم۔ اے فاضل دیوبند پروفیسر اورنٹیل کالج فتحپوری دہلی نے بالاستیعاب اس ترجمہ کو دیکھا ہے اور حتی الامکان صحیح اور بامحاورہ بنانے میں انہوں نے کوشش فرمائی ہے مشکل مقامات یا فتوح السندہ کے بعض دشوار اشعار کے متعلق شمس العلماء مولانا عبد الرحمٰن صاحب اور مولانا محبوب الٰہی صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج فتحپوری وغیرہ فضلاء سے مشورہ لیا گیا ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کی تمام عمر علوم عربیہ کی خدمت میں گذری ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ ترجمہ اغلاط سے پاک اور قابل اطمینان ثابت ہوگا۔ ترجمہ لفظی ہونے کے باوجود ایک حد تک بامحاورہ ہے۔ چونکہ ترجمہ طلبہ کے لئے کیا گیا ہے۔ اس لئے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ الفاظ سے زائد نہ ہو اور ایسا بامحاورہ بھی نہ ہو کہ الفاظ کے ترجمہ کا پتہ ہی نہ چلے۔ اسی لئے عربی الفاظ کی فرہنگ نہیں دی گئی۔ علاوہ ازیں تجربہ سے ثابت ہوا کہ وہ فرہنگ بالکل غیر مفید ہوتی ہیں۔ جو کتاب کے آخری حصہ میں لگادی جاتی ہیں۔ اور طلبہ اُن سے خاطر خواہ طریقہ پر استفادہ نہیں کرتے

منیجر مکتبہ شرقیہ
دہلی

ضروری تنبیہ

کتاب پڑھنے سے پہلے صفحہ ۹۵ و ۹۶ دیکھیئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتح سندھ

از

فتوح البلدان بلاذری

باب (۱)

علی بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ (جب ۱۵ھ میں) عمر فاروق نے عثمان بن العاصی ثقفی کو بحرین و عمان کا والی (گورنر) بنایا تو اس نے اپنے بھائی حکم کو بحرین کی جانب بھیجا اور خود عمان کی جانب روانہ ہوا (عمان پہنچکر) ایک لشکر تانہ [1] کی جانب بھیجا جب یہ لشکر واپس آیا تو حضرت عمر کو اس کی اطلاع دینے کے لیے لکھا حضرت عمر نے اُسے لکھا "اے ثقیف کے (ناتجربہ کار) نوجوان! تو نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر دیا۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر یہ ہلاک ہو جاتے تو میں تیری قوم سے اتنے ہی آدمی لے لیتا [2]" (۵) اور عثمان نے حکم کو بروص [3] کی جانب بھی بھیجا... نیز اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن العاصی کو خلیج دیبل کی جانب بھیجا دشمن سے اُسکی مڈبھیڑ ہوئی اور اُس نے فتح حاصل کی۔ جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور عبداللہ بن عامر کو انہوں نے عراق کا گورنر بنایا تو اسکے پاس حکم لکھا کہ وہ سرحد ہند پر کسی ایسے آدمی کو بھیجے جو وہاں کے صحیح حالات معلوم کرے اور واپس آکر اُنھیں مطلع کرے۔ عبداللہ نے حکیم بن جبلہ عبدی کو روانہ کیا جب حکیم واپس آیا تو اُسے حضرت عثمان کے پاس بھیجدیا۔ حضرت عثمان نے اُس سے ہندوستان کے شہروں کے حالات دریافت کیے۔ حکیم نے عرض کیا "یا امیرالمؤمنین! میں نے وہاں کے حالات سے بہت

---

[1] تانہ۔ سواحل سندھ پر ایک مقام ہے [2] سمندر اور اس کے سفر کے متعلق اِس سے پیشتر فاروق اعظم نے عمرو بن العاصی سے دریافت کیا تھا تو انھوں نے لکھا تھا کہ سمندر اور اس کے مسافر کو دیکھ کر مجھے نظر آتا ہے کہ ایک بہت بڑی مخلوق یعنی سمندر پر ایک چھوٹی سی مخلوق یعنی انسان سوار ہے۔ اگر جہاز تھم جائے تو دل دھڑکنے لگیں اور اگر چلنے... لگے تو ہوش اُڑ جائیں سمندر کے سفر میں یقین غائب و رشک مسلط ہو جاتا ہے انسان کی مثال سمندر میں ایسی ہے جیسے ایک تنکے پر کیڑا اگر جھکے تو ڈوب جائے اور اگر نہ ڈوبے تو خوف سے مرجائے [3] بھڑونچ ۔ ساحل گجرات پر ایک مشہور شہر ہے۔

شہادت کے بعد قندہار فتح کر لیا۔ عباد نے اہل قندہار کی لمبی لمبی ٹوپیاں دیکھیں تو اُس نے اُسی جیسی ٹوپیاں بنوائیں۔ اسی وجہ سے اُن کا نام عبّادیہ رکھا گیا۔ ابن مفرغ نے کہا ؎

گرم علاقوں اور ہندوستان کی زمینوں میں بہت سے زیروں (کے نشان) ہیں اور بہت سے مقتولین کی قمیصیں (پڑی) ہیں کاش کہ وہ دفن کیے جاتے۔
قندہار میں۔ اور جس کی موت قندہار میں لکھی ہوگی اُس کی خبریں اٹکل سے بیان کی جائیں گی (یعنی اتنی دور جاکر زندہ واپس آنا یا صحیح خبر میسر آنا بہت دشوار ہے)

منذر بن جارود
پھر زیاد نے منذر بن جارود عبدی کو جس کی کنیت ابو الاشعث تھی سرحد ہند کا گورنر بنایا اُس نے بوقان اور قیقان پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے فتح پائی، مال غنیمت حاصل کیا اور فوجی دستے اُن کے شہروں میں پھیلا دیئے۔ قصدار فتح کیا اور وہاں (کے باشندوں کو) گرفتار کیا۔ سنان نے اس سے پہلے قصدار کو فتح کر لیا تھا مگر اہل قندہار نے عہد شکنی کی تھی (اس لیے دوبارہ فتح کیا) قصدار ہی میں منذر نے وفات پائی اس پر شاعر کہتا ہے۔ ؎

منذر قصدار میں اُترا اور وہیں قبر میں رہ گیا واپس جانیوالوں کے ساتھ واپس نہیں گیا۔
قصدار اور اُس کے انگوروں کے باغ بھی کس قدر خوش نصیب ہیں، دین و دُنیا کے کیسے اچھے نوجوان کو اُنھوں نے (اپنے آغوش میں) چھپا لیا۔

ابن حرّی باہلی
پھر عبید اللہ بن زیاد نے ابن حرّی باہلی کو حاکم بنایا (اور سرحد ہند پر روانہ کیا) اللہ پاک نے بلادِ سندھ اُس کے ہاتھ پر فتح کیے اور اُس نے بہت سخت لڑائیاں لڑیں اور فتح و ظفر حاصل کی اور مالِ غنیمت سے مالا مال ہوا۔ مورخین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عبد اللہ بن زیاد نے سنان بن سلمہ کو گورنر بنایا تھا اور ابن حرّی اُس کے فوجی دستوں پر سردار تھا۔ حرّی بن حرّی کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔

؎

اگر بوقان میں میری نیزہ بازی نہ ہوتی تو ابن حرّی کی فوجیں لوٹ کا مال لے کر واپس نہ آتیں

(۹) اہل بوقان آج کل مسلمان ہیں۔ عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی نے بوقان میں ایک شہر تعمیر کرایا تھا اور اس کا نام بیضاء رکھا تھا یہ واقعہ معتصم باللہ کی خلافت کا ہے۔

باب (۲)

حجاج بن الحکم بن ابی عقیل ثقفی جب (عبد الملک کی جانب سے) عراق کا گورنر بنایا گیا تو اس نے

سعید بن اسلم

سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور اس سرحد (ہند) کا گورنر بنایا (جب سعید مکران پہنچا) تو معاویہ بن حارث علافی اور محمد بن حارث علافی اُس کے مقابلہ پر نکلے (لڑائی ہوئی) سعید قتل ہوگیا اور علافی تمام سرحدی علاقہ پر قابض ہوگئے۔ علاف کا نام ربان بن حلوان بن عمران بن حاف بن قضاعہ ہے قضاعہ قبیلہ جرم کا جدّ اعلیٰ ہے۔ پھر حجاج نے مجاعہ بن سعر تیمی کو اس سرحد کا گورنر بنایا۔ مجاعہ نے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور مالِ غنیمت حاصل کیا قندابیل کے بہت سے گروہوں (حصوں) کو بھی اُس نے فتح کیا۔ پھر محمد بن

مجاعہ

قاسم نے اس فتح کی تکمیل کی۔ مجاعہ ایک سال بعد مکران میں وفات پا گیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

(جس کسی جنگ میں تو اے مجاعہ شریک ہوا اُسیکا تذکرہ تجھے زیب دیتا ہو (کیونکہ تو نے ہر جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے)

محمد بن ہارون

(۱۰) پھر حجاج نے مجاعہ کی وفات کے بعد محمد بن ہارون نمری کو مکران پر حاکم بنایا اُس کی حکومت کے زمانہ میں جزیرۂ یاقوت (سرندیپ) کے بادشاہ نے بطور تحفہ حجاج کے پاس چند مسلمان عورتیں بھیجیں جو اس کے ملک میں مسلمان پیدا ہوئیں تھیں اور اُن کے باپ دادا سوداگری کرتے تھے اور اُن کا وہیں انتقال ہوگیا تھا۔ مقصد اس سے حجاج سے تقرب حاصل کرنا تھا جس کشتی میں یہ عورتیں (سفر کر رہی تھیں) اس کو دیبل کے بحری قزاقوں کے ایک گروہ نے چھوٹی چھوٹی جنگی کشتیوں میں سوار ہوکر گھیر لیا اور کشتی کو مع سامان اور عورتوں کے پکڑ لیا اُن میں سے قبیلہ یربوع کی ایک عورت نے "یا حجاج" کہہ کر آواز دی حجاج کو اس کی خبر پہنچی تو وہ

عبید اللہ بن نبہان

(بے ساختہ) کہہ اُٹھا "یا لبیک" (ہاں میں آیا) اور فوراً داہر کے پاس قاصد بھیجا اور ان عورتوں کے چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ داہر نے جواب دیا کہ ان عورتوں کو (دریائی) ڈاکوؤں نے پکڑا ہے جن پر میرا قابو نہیں (حجاج یہ سنکر برافروختہ ہوگیا) لہذا اُس نے عبید اللہ بن نبہان کو دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ عبید اللہ (لڑائی میں) قتل ہوگیا

بدیل بن طہفہ

پھر حجاج نے بدیل بن طہفہ کو حکم لکھا جو اُس وقت عمان میں تھا کہ وہ دیبل روانہ ہو جائے لیکن جب بدیل کا دشمن سے مقابلہ ہوا تو اُس کا گھوڑا بدکا اور اُس کو گرادیا دشمن نے گھیر لیا اور مار ڈالا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ اُسے بدھ مذہب کے جاٹوں نے قتل کیا ہے۔

اس جزیرہ کو یاقوت اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔

محمد بن قاسم

پھر حجاج نے ولید بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں (اپنے چچازاد بھائی اور داماد) محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی کو سندھ کا گورنر بنایا اور اُس نے سندھ پر حملہ کیا۔ محمد بن قاسم اس وقت فارس میں تھا حجاج نے اسکو حکم دیا تھا کہ وہ رَے چلا جائے (۱۱) اور محمد بن قاسم کے مقدمۃ الجیش (ہراول) کا سردار اس وقت ابو الاسود جہم بن زحر جعفی تھا۔ (مگر اس مہم کی وجہ سے) پھر اُس کو فارس بلا لیا اور سرحد سندھ کا گورنر بنا دیا چھ ہزار

شہادت کے بعد قندھار فتح کر لیا۔ عباد نے اہل قندھار کی لمبی لمبی ٹوپیاں دیکھیں تو اُس نے اُسی جیسی ٹوپیاں بنوائیں۔ اسی وجہ سے اُن کا نام عبّادیہ رکھا گیا۔ ابن مفرغ نے کہا ؎

گرم علاقوں اور ہندوستان کی زمینوں میں بہت سے (بیروں کے نشان) ہیں اور بہت سے مقتولین کی قمیصیں (پڑی) ہیں کاش کہ وہ دفن کیے جاتے۔

قندھار میں۔ اور جس کی موت قندھار میں لکھی ہوگی اُس کی خبریں اٹکل سے بیان کی جائیں گی (یعنی اتنی دور جاکر زندہ واپس آنا یا صحیح خبر میسر آنا بہت دشوار ہے)

منذر بن جارود پھر زیاد نے منذر بن جارود عبدی کو جس کی کنیت ابوالاشعث تھی سرحد ہند کا گورنر بنایا۔ اُس نے بوقان اور قیقان پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے فتح پائی، مال غنیمت حاصل کیا اور فوجی دستے اُن کے شہروں میں پھیلا دیئے۔ قصدار فتح کیا اور وہاں (کے باشندوں کو) گرفتار کیا۔ سنان نے اس سے پہلے قصدار کو فتح کر لیا تھا مگر اہل قندھار نے عہد شکنی کی تھی (اس لیے دوبارہ فتح کیا) قصدار ہی میں منذر نے وفات پائی اس پر شاعر کہتا ہے۔ ؎

منذر قصدار میں اُترا اور وہیں قبر میں رہ گیا واپس جانیوالوں کے ساتھ واپس نہیں گیا۔
قصدار اور اُس کے انگوروں کے باغ بھی کس قدر خوش نصیب ہیں، دین و دُنیا کے کیسے اچھے نوجوان کو اُنھوں نے (اپنے آغوش میں) چھپا لیا۔

ابن حرّی باہلی پھر عبیداللہ بن زیاد نے ابن حرّی باہلی کو حاکم بنایا (اور سرحد ہند پر روانہ کیا) اللہ پاک نے بلادِ سندھ اُس کے ہاتھ پر فتح کیے اور اُس نے بہت سخت لڑائیاں لڑیں اور فتح وظفر حاصل کی اور مالِ غنیمت سے مالامال ہوا۔ مورخین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عبداللہ بن زیاد نے سنان بن سلمہ کو گورنر بنایا تھا اور ابن حرّی اُس کے فوجی دستوں پر سردار تھا۔ حرّی بن حرّی کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔

؎

اگر بوقان میں میری نیزہ بازی نہ ہوتی تو ابن حرّی کی فوجیں لوٹ کا مال لے کر واپس نہ آتیں

(9) اہل بوقان آج کل مسلمان ہیں۔ عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی نے بوقان میں ایک شہر تعمیر کرایا تھا اور اس کا نام بیضاء رکھا تھا یہ واقعہ معتصم باللہ کی خلافت کا ہے۔

باب (2)

حجاج بن الحکم بن ابی عقیل ثقفی جب (عبدالملک کی جانب سے) عراق کا گورنر بنایا گیا تو اس نے

سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور اس سرحد (ہند) کا گورنر بنایا (جب سعید مکران پہنچا) تو معاویہ بن حارث علافی اور محمد بن حارث علافی اُس کے مقابلہ پر نکلے (لڑائی ہوئی) سعید قتل ہوگیا اور علافی تمام سرحدی علاقہ پر قابض ہوگئے۔ علاف کا نام ربان بن حلوان بن عمران بن حاف بن قضاعہ ہے قضاعہ قبیلہ جرم کا جدِ اعلیٰ ہے۔ پھر حجاج نے مجاعہ بن سعر تمیمی کو اس سرحد کا گورنر بنایا۔ مجاعہ نے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور مالِ غنیمت حاصل کیا قندابیل کے بہت سے گردہوں (حصوں) کو بھی اُس نے فتح کیا۔ پھر محمد بن قاسم نے اس فتح کی تکمیل کی۔ مجاعہ ایک سال بعد مکران میں وفات پاگیا۔ شاعر کہتا ہے ؎ (سعید بن اسلم) (مجاعہ)

جس کسی جنگ میں تو اے مجاعہ شریک ہوا اُسی کا تذکرہ تجھے زیب دیتا ہے (کیونکہ تو نے ہر جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے)

(۱۰) پھر حجاج نے مجاعہ کی وفات کے بعد محمد بن ہارون نمری کو مکران پر حاکم بنایا اُس کی حکومت کے زمانہ میں جزیرۂ یاقوت (سرندیپ) کے بادشاہ نے بطور تحفہ حجاج کے پاس چند مسلمان عورتیں بھیجیں جو اس کے ملک میں مسلمان پیدا ہوئیں تھیں اور اُن کے باپ دادا سوداگری کرتے تھے اور اُن کا وہیں انتقال ہوگیا تھا۔ مقصد اس سے حجاج سے تقرب حاصل کرنا تھا جس کشتی میں یہ عورتیں (سفر کر رہی) تھیں اس کو دیبل کے بحری قزاقوں کے ایک گروہ نے چھوٹی چھوٹی جنگی کشتیوں میں سوار ہو کر گھیر لیا اور کشتی کو مع سامان اور عورتوں کے پکڑ لیا اُن میں سے قبیلہ یربوع کی ایک عورت نے یا "حجاج" کہہ کر آواز دی حجاج کو اس کی خبر پہنچی تو وہ (بے ساختہ) کہہ اٹھا "یا لبیک" (ہاں میں آیا) اور فوراً داہر کے پاس قاصد بھیجا اور ان عورتوں کے چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ داہر نے جواب دیا کہ ان عورتوں کو (دریائی) ڈاکوؤں نے پکڑا ہے جن پر میرا قابو نہیں (حجاج یہ سنکر برافروختہ ہوگیا) لہٰذا اُس نے عبیداللہ بن نبہان کو دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ عبیداللہ (لڑائی میں) قتل ہوگیا پھر حجاج نے بدیل بن طہفہ کو حکم لکھا جو اُس وقت عمان میں تھا کہ وہ دیبل روانہ ہو جائے لیکن جب بدیل کا دشمن سے مقابلہ ہوا تو اُس کا گھوڑا بدکا اور اُس کو گرا دیا دشمن نے گھیر لیا اور مار ڈالا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ اُسے بدھ مذہب کے جاٹوں نے قتل کیا ہے۔ (محمد بن ہارون) (عبیداللہ بن نبہان) (بدیل بن طہفہ)

اس جزیرہ کو یاقوت اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔

پھر حجاج نے ولید بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں (اپنے چچازاد بھائی اور داماد) محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی کو سندھ کا گورنر بنایا اور اُس نے سندھ پر حملہ کیا۔ محمد بن قاسم اس وقت فارس میں تھا حجاج نے اسکو حکم دیا تھا کہ وہ رَے چلا جائے (۱۱) اور محمد بن قاسم کے مقدمۃ الجیش (ہراول) کا سردار اس وقت ابوالاسود جہم بن زحر جعفی تھا۔ (مگر اس مہم کی وجہ سے) پھر اُس کو فارس بلالیا اور سرحد سندھ کا گورنر بنا دیا چھ ہزار (محمد بن قاسم)

سپاہی لشکر اہل شام سے اور اس کے علاوہ بہت سے (کار آزمودہ) لوگ اس کے (لشکر کے)... ساتھ شریک کر دیئے اور تمام ضروری سامان حتیٰ کے سُتلی اور سُوان بھی اس کے لیے مہیا کیا اور حکم دیا کہ شیراز میں اُس وقت تک قیام کرے جب تک کہ تمام سپاہ اس کے پاس جمع ہو جائے اور جو سامان مہیا کیا گیا ہے وہ بھی پہنچ جائے۔

حجاج نے دُھنی ہوئی روئی لی اور عمدہ پُرانے سرکہ میں اُسے ڈبویا اور پھر سایہ میں خشک کیا (اور محمد بن قاسم کے ساتھ بھیجا) اور کہا کہ جب تم سندھ پہنچو گے تو وہاں سرکہ بہت کم ہے اس روئی کو پانی میں بھگو لینا پھر اُس سے روٹی لگا کر کھانا (سرکہ کا کام دے گا عرب کے لوگ سرکہ سے روٹی کھانے کے بہت عادی تھے بعض مورخین کہتے ہیں کہ جب محمد بن قاسم سرحد سندھ پر پہنچے تو سرکہ کی کمی کی شکایت لکھی تب حجاج نے سرکہ میں بھیگی ہوئی روئی روانہ کی بہر حال محمد بن قاسم (شیراز سے چلکر) مکران پہنچے چند روز یہاں قیام کیا پھر قنزپور آئے اُس کو فتح کیا پھر ارمائیل پہنچے اُسے بھی فتح کیا۔ محمد بن ہارون بن ذراع محمد بن قاسم سے آگے تھے وہ بھی محمد بن قاسم کے لشکر میں مل گئے اور اس کے ہمراہ روانہ ہوئے مگر ارمائیل کے قریب ہی اُن کی وفات ہو گئی اور قنبیل میں دفن کر دیئے گئے۔ پھر محمد بن قاسم ارمائیل سے روانہ ہوئے جہم بن زحر جعفی ان کے ہمراہ تھے۔ جمعہ کے روز دیبل پہنچے وہ کشتیاں بھی پہنچ گئیں جن پر (براہ سمندر) فوجیں سامان اور ہتھیار بھیجے گئے تھے (۱۲) محمد بن قاسم نے دیبل پر اُترتے ہی (لشکر گاہ کے چاروں طرف) خندق کھُدوائی خندق کے کناروں پر نیزے گاڑ دیئے اور اُن پر پھریرے اُڑا دیئے۔ تمام لوگوں کو اُن کے جھنڈوں کے تلے اُتارا گیا (یعنی ہر گروہ کو اُس کے جھنڈے کے نیچے ٹھہرایا گیا) عروس نامی منجنیق نصب کی گئی اس منجنیق میں پانسو آدمی کام کرتے تھے دیبل میں ایک بہت بڑا مندر تھا اس مندر کے برج پر ایک لمبی بلّی لگی ہوئی تھی اس بلّی پر ایک سُرخ جھنڈا تھا (یہ جھنڈا اتنا لمبا چوڑا تھا) کہ جب ہوا چلتی تھی تو تمام شہر کو گھیر لیتا تھا اور گھومنے لگتا تھا۔ مورخین کے بیان کے مطابق بد ایک بہت بڑا منارہ ہے جو کسی ایسے مکان پر بنایا گیا ہو جس میں ایک یا ایک سے زائد مورتیاں رکھی ہوئی ہوں انہی کے نام سے وہ مندر مشہور ہوتا ہے کبھی مورتی منارہ کے اندر بھی ہوتی ہے اسیطرح جس چیز کی وہ بطور عبادت تعظیم کرتے ہیں اُس کو بھی بد کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا مورتی کو بھی بد کہتے ہیں۔ ہر تیسرے روز حجاج کے خط محمد بن قاسم کے پاس آتے تھے اور محمد بن قاسم کے خطوط یہاں کے حالات اور طریق کار کے بارے میں حجاج کی رائے معلوم کرنے کے لیے اس کے پاس جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے پاس حجاج کا خط آیا (اُس میں لکھا تھا) کہ عروس نامی منجنیق کو مندر کی سیدھ میں نصب کرو اور اس کا ایک پایہ جو مشرق کی جانب کا ہو چھوٹا کر دو اور عروس

کے چلانے والے کو بلاؤ اور حکم دو کہ اُس بَلّی کو تاک کر نشانہ بنائے جس کا تم نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ منجنیق کے چلانے والے نے بَلّی پر تاک کر پتھر مارا اور اس کو توڑ دیا کفار اس سے بھڑک اُٹھے۔ پھر محمد بن قاسم اہل دیبل سے مقابلہ کرنے کے لیے بڑھے اُدھر وہ بھی (جوش میں آکر) قلعہ سے باہر نکل آئے تھے (مقابلہ ہوا) محمد بن قاسم نے دیبل والوں کو شکست فاش دی یہاں تک کہ میدان سے بھگا دیا (قلعہ میں جاکر دم لیا) محمد بن قاسم نے سیڑھیاں لگانے کا حکم دیا چنانچہ (قلعہ کی دیواروں پر) سیڑھیاں لگادی گئیں اور بہادر سپاہی سیڑھیوں پر چڑھ گئے سب سے پہلے چڑھنے والا اہل کوفہ میں سے قبیلۂ مراد کا ایک شخص تھا (۱۳) ۹۳ھ میں قلعہ دیبل بزور شمشیر فتح ہو گیا تین روز تک برابر محمد بن قاسم (مسلح اور جنگجو) اہل قلعہ کو قتل کرتا رہا۔ داہر کا حاکم دیبل سے بھاگ گیا۔ بتخانہ کے پجاریوں کو بھی قتل کیا محمد بن قاسم نے فتح کے بعد مسلمانوں کو دیبل میں زمینیں تقسیم کیں ایک مسجد تعمیر کی چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا (اور دیبل کو عساکر اسلامیہ کے لیے ایک فوجی مرکز بنا دیا)

محمد بن یحییٰ نے بیان کیا کہ خاندان خالد بن اسید کے آزاد کردہ غلام منصور بن قاسم نحوی نے وہ ٹوٹی ہوئی بَلّی دیکھی ہے جو منارہ پر نصب تھی اور یہ کہ عنبسہ بن اسحاق ضبی نے معتصم باللہ کے عہد خلافت میں اس منارہ کا بالائی حصہ گرا کر اس میں قید خانہ بنا دیا اور منارہ کے ٹوٹے ہوئے پتھروں سے شہر کی مرمت کی (اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ منارہ کس قدر بڑا تھا کہ جس کے صرف بالائی حصہ کے ٹوٹے ہوئے پتھروں سے شہر کی مرمت کی گئی) مگر مرمت کی تکمیل سے پہلے ہی وہ معزول کر دیا گیا اور اس کے بجائے ہارون بن ابو خالد مروزی سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا مگر (تھوڑے ہی عرصہ میں) وہ قتل کر دیا گیا۔

مورخین کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم (دیبل سے) بیرون آیا اہل بیرون نے (اس سے قبل) اپنے دو سادھو حجاج کے پاس بھیجے تھے اور صلح کر لی تھی لہٰذا اُنھوں نے محمد بن قاسم کے لیے رسد کا انتظام کیا شہر میں لے گئے (سالانہ) زر صلح بھی ادا کیا محمد بن قاسم جس شہر سے گذرتا تھا اُسی کو فتح کر لیتا تھا حتی کہ دریائے سندھ کے ورے جو نہر تھی اسے عبور کیا (یہاں پہنچکر) سربیدس کے سادھو آئے اور باشندگان سربیدس کیجانب سے صلح کر لی اور اُن پر خراج مقرر کیا اور وہاں سے سہبان کیجانب روانہ ہوا اور اس کو فتح کیا (۱۴) پھر دریائے سندھ کیجانب رُخ کیا اور اس کے درمیانی حصہ پر اترا داہر کو اس کی خبر پہنچی اور اُس نے محمد بن قاسم کے مقابلہ کی (زبردست) تیاریاں شروع کیں محمد بن مصعب ثقفی کو سوار[1] فوجی دستوں کیساتھ سدوسان بھیجا۔ اہل سدوسان نے امن اور صلح کی خواہش ظاہر کی سادھوؤں کی ایک جماعت نے فریقین کے درمیان سفارت کیخدمت انجام دی چنانچہ محمد بن مصعب نے (صلح کے بعد) ان پر خراج مقرر کیا اور (بغرض اطمینان) ان سے

[1] خیل اصیل گھوڑے خمارۃ بدنسل گھوڑے مراد سوار ۱۲

کچھ معزز آدمی بطور) ضمانت طلب کیے اور چار ہزار جاٹوں کو ساتھ لیکر محمد بن قاسم کے پاس واپس آیا یہ سب محمد بن قاسم کی فوج میں داخل ہوگئے اور سدوسان پر ایک شخص کو حاکم مقرر کر دیا۔

پھر محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کی تدبیریں سوچیں (کیونکہ داہر نے تمام پُل اٹھا لیئے تھے) چنانچہ راسل کے علاقہ کے پاس خود پُل باندھ کر دریائے سندھ کو عبور کیا راسل ہندوستان کے علاقہ قصہ (کچھ) کا بادشاہ تھا داہر محمد بن قاسم کو حقیر سمجھتا تھا اور اس کی جانب سے بالکل بے پرواہ تھا (آخرکار) محمد بن قاسم اور عساکر اسلامیہ کا داہر سے مقابلہ ہوا۔ داہر ہاتھی پر سوار تھا ہاتھیوں کا ایک دستہ اُس کے چاروں طرف تھا ٹھاکر (راجپوت) بھی (بہت بڑی تعداد میں) اس کے ہمراہ تھے دونوں طرف سے ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں سُنی گئی تھی یہاں تک کہ داہر پیادہ پا ہوگیا اور (خوب جان توڑ کر) لڑا (لڑتے لڑتے) شام کے وقت (دس رمضان المبارک سنہ ۹۳ھ کو) قتل ... ہوگیا مشرکین کو زبردست شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے جس طرح چاہا شکست خوردہ فوج کو قتل کیا مدائنی کی روایت کے بموجب جس شخص نے داہر کو قتل کیا ہے وہ قبیلہ بنو کلاب کا ایک شخص تھا اس نے (اس موقعہ پر) یہ شعر کہے ؎

فوجی سوار اور نیزے اور محمد بن قاسم سب شاہد ہیں۔
کہ میں نے بغیر منہ موڑے جنگ داہر میں (دشمنوں کی) صفوں کے پرے کے پرے توڑ دیئے
اور تلوار لے کر خاص اُن کے بادشاہ کے سر پر جا پڑا اور اس کو خاک میں لوٹ پوٹ
بغیر تکیے کے رخساروں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیا۔

(۱۵) منصور بن حاتم کہتے ہیں کہ داہر اور اس کے قاتل کا مجسمہ بروص (بھڑوچ) میں بنا ہوا ہے علی ہذا بدیل بن طہفہ کا مجسمہ قندبیل میں ہے اور اس کی قبر دبیل میں ہے۔ علی بن محمد مدائنی ابو محمد ہندی سے نقل کرتے ہیں کہ ابو الفرج نے بیان کیا کہ جب داہر قتل کر دیا گیا تو محمد بن قاسم تمام بلاد سندھ پر غالب آگیا ابن کلبی کا بیان ہے کہ جس نے داہر کو قتل کیا ہے وہ قاسم بن عبداللہ بن حصن طائی ہے۔

مورخین کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے راور کو بزور شمشیر فتح کیا۔ قلعہ راور میں داہر کی بیوی (بائی؟) گزیں) تھی اُس کو خوف ہوا کہ وہ پکڑی نہ جائے لہذا اس نے خود کو مع اپنی لونڈیوں اور مال و متاع کے جلا ڈالا (ستی ہوگئی)

پھر محمد بن قاسم پرانے برہمنا باد آیا یہ منصورہ سے دو فرسخ (۶ میل) کے فاصلہ پر ہے ان دنوں میں منصورہ نہ تھا بلکہ اس کی جگہ جھاڑیاں تھیں داہر کی شکست خوردہ فوج اسی برہمنا باد میں تھی

لہذا اُنھوں نے محمد بن قاسم سے سخت لڑائی لڑی بالآخر محمد بن قاسم نے برہمناباد کو بزور شمشیر فتح کیا اور آٹھ ہزار (فوجی سپاہیوں) کو قتل کیا اور بعض کہتے ہیں چھبیس ہزار اور اپنا عامل وہاں قائم مقام چھوڑ دیا۔ یہ برہمناباد آجکل ویران ہی۔ محمد بن قاسم (برہمناباد سے) رُور اور بغرور کے قصد سے روانہ ہوا (راستہ میں) اہل ساوندری آکر ملے محمد بن قاسم نے اُن کو امان دیدی اور اسلامی فوجوں کی مہمانی اور رہبری ان سے شرط کی (یعنی جس وقت عساکر اسلامیہ اس طرف سے گذریں تو اُن کی رسد کا انتظام کرنا اور دشمن کے علاقہ میں ان کی رہبری کرنا اُن کے ذمہ ہی) اہل ساوندری آجکل مسلمان ہیں پھر محمد بسمد کی طرف بڑھا (۶ أ) اہل بسمد نے بھی اہل ساوندری کی طرح انہی شرائط پر صلح کی محمد بن قاسم (بڑھتے بڑھتے) رُور پہنچا۔ رُور سندھ کے بڑے شہروں میں سے ہی ایک پہاڑی پر واقع ہی۔ چند ماہ تک رُور کا محاصرہ جاری رہا آخرکار اس شرط پر بطور صلح فتح کیا کہ مسلمان نہ اُن کو قتل کریں گے اور نہ ان کے مندروں سے تعرض کریں گے۔

مصنف کہتا ہی کہ بد (بدھ مذہب کا) عبادتخانہ ہی بالکل اسیطرح جیسے عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے کینسے اور آتش پرستوں کے آتشکدے۔ اہل رُور پر خراج مقرر کیا اور ایک مسجد تعمیر کی اور وہاں سے سکہ (سکھر) کی جانب روانہ ہوا سکہ دریائے بیاس کے ورے ایک شہر ہی محمد بن قاسم نے اس کو بھی فتح کیا۔ یہ سکہ آجکل بالکل ویران ہی۔ پھر دریائے بیاس کو طے کرکے ملتان پہنچا اہل ملتان نے مقابلہ کیا (سخت لڑائی ہوئی) زائدہ ابن عمیر طائی نے خوب اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے۔ مشرکین کو (میدان جنگ میں) شکست ہوئی تو بھاگ کر شہر میں گھس گئے اور (قلعہ کے دروازے بند کرلیے) محمد بن قاسم نے اہل ملتان کا محاصرہ کیا (محاصرہ بہت بڑھ گیا) مسلمانوں کے پاس توشہ (سامان خورد و نوش) ختم ہوگیا یہاں تک کہ (جب کچھ نہ رہا تو) بلاؤ گدھے ذبح کرکے کھا گئے۔ آخرکار ایک شخص امان لیکر مسلمانوں کے پاس آیا اور اہل ملتان جو پانی پیتے ہیں اُس کے داخل ہونے کی جگہ (راستہ) سے آگاہ کیا یہ پانی نہر بسمد سے آتا ہی اور شہر کے اندر (بڑے) حوض کی طرح ایک پانی کے خزانہ میں جمع ہوتا ہی اس کو تلاح (تلاؤ یا تالاب) کہتے ہیں محمد بن قاسم نے اس پانی کے راستہ کو پاٹ دیا۔ جب ملتان والے پیاسے مرنے لگے تو انھوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالدیئے چنانچہ محمد بن قاسم نے لڑنے والوں کو قتل کیا اور ان کے بال بچوں کو قید اور بد (مندر) کے پجاری جن کی تعداد چھ ہزار تھی گرفتار کرلیے بہت سامال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ آیا یہ تمام اموال غنیمت ایک کوٹھری میں جمع کیے گئے جو دس گز آٹھ گز تھی اُس کی چھت میں ایک روشندان کھلا ہوا تھا۔ تمام مول جو اُس میں محفوظ کیے گئے تھے سب اُسی روشندان سے ڈالے جاتے تھے (۷ أ) اسی لیئے ملتان کا نام "فرج بیت الذہب" (سونے کی کوٹھری کی سرحد) پڑگیا۔ فرج بمعنی سرحد۔

ملتان کا بد (مندر) بہت بڑا مندر تھا اس کے لیے اموال کے تحفے لائے جاتے تھے منتیں مانی جاتی تھیں اہل سندھ اس کے حج کے لیے آتے تھے طواف کرتے تھے سر اور داڑھیاں منڈاتے تھے اور کہتے تھے کہ جو بت اسکے اندر ہے وہ حضرت ایوب علیہ السلام ہیں۔

مورخین کہتے ہیں کہ حجاج نے (اس جنگ کے آمد و خرچ کا) حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اس نے ساٹھ لاکھ درہم محمد بن قاسم پر خرچ کیے اور ایک کروڑ بیس لاکھ درہم وصول ہوئے اس پر اس نے کہا "ہم نے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لیا (یعنی مقتولین کا انتقام لے لیا) اور ساٹھ لاکھ درہم اور داہر کا سر نفع میں رہا۔ (۹۵ھ میں) حجاج کا انتقال ہوگیا تو محمد بن قاسم کے پاس وفات کی خبر آئی لہذا ملتان ہی سے رور اور بغرور کی جانب واپس چلے آئے یہ دونوں مقام پہلے فتح کر لیے تھے یہاں آکر لوگوں کو تنخواہیں دیں اور ایک لشکر بیلمان کی جانب روانہ کیا اہل بیلمان نے جنگ نہیں کی اور اطاعت قبول کر لی اہل سرست نے بھی مصالحت کر لی سرست آجکل بصرہ کی فوجوں کی حرب گاہ ہے یہاں کے باشندے مید (بحری قزاق) ہیں جو ہمیشہ سمندر میں ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ پھر محمد کیرج آیا دوہر (بسر داہر) مقابلہ کے لیے نکلا لڑائی ہوئی دشمن کی فوج نے شکست کھائی دوہر بھاگ گیا کہا جاتا ہے کہ قتل کر دیا گیا اہل شہر نے محمد کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے محمد نے (حسب دستور) مقاتلین کو قتل بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

ہم نے داہر اور دوہر (دونوں کو) قتل کیا ور اں حالیکہ سواروں کے گروہ کے گروہ ہلاک ہو رہے تھے۔

باب (۳)

(۱۸) (۹۶ھ میں) خلیفہ ولید بن عبدالملک نے وفات پائی، سلیمان بن عبدالملک اس کی جگہ خلیفہ ہوا تو اس نے صالح بن عبدالرحمن کو عراق کے خراج پر گورنر بنایا اور یزید بن ابی کبشہ کو سندھ پر۔ تو یزید نے محمد بن قاسم کو معاویہ بن مہلب کے ساتھ گرفتار کر کے بھیجا اس وقت محمد نے یہ شعر اپنے حسب حال پڑھا ؎

لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا (مگر افسوس) انھوں نے لڑائی کے دن اور سرحد کے استحکام کے لیے کام آنے والے کیسے اچھے نوجوان کو ضائع کیا۔

اہل ہند محمد بن قاسم کی گرفتاری پر بہت روئے اور کیرج میں اسکا مجسمہ بنایا۔ صالح نے محمد بن قاسم کو واسط میں قید کر دیا۔ اس وقت محمد نے یہ اشعار پڑھے۔

اگر آج میں واسط اور اس کی سرزمین میں پابند سلاسل و طوق در گلو ہوں تو بخدا (اس پر

افسوس نہیں)

(کیونکہ) میں نے بہت سے نوجوان سواروںکو (اپنی ہیبت سے) خوفزدہ کردیا ہی اور کتنے ہی اپنے ہمسروںکو (میدان جنگ میں) مقتول چھوڑدیا ہی۔

اور یہ شعر پڑھا۔

اگر میں (مقابلہ پر) ٹھہرنیکا ارادہ کرتا تو بہت سی عورتیں اور مرد جو لڑائی کیواسطے تیار کیے گئے تھے وہ پامال کردیئے جاتے۔

اور نہ سکسکی گھوڑے ہمارے علاقہ میں داخل ہوتے اور نہ کوئی عکی مجھ پر امیر ہوتا۔

اور نہ میں مزدنی غلام کا تابع ہوتا۔ اے شرفا کو تباہ کرنے والے زمانے تیرا بُرا ہو۔

صالح بن عبد الرحمن نے خاندان ابوعقیل کے اور لوگوں کے ساتھ محمد بن قاسم کو بھی سخت تکالیف پہنچائیں یہاں تک کہ قتل کردیا (۱۹) حجاج نے صالح کے بھائی آدم کو قتل کیا تھا (اسی کے انتقام میں محمد بن قاسم کو صالح نے قتل کیا) آدم خوارج کا عقیدہ رکھتا تھا (خارجی مذہب تھا) حمزہ بن بیض حنفی نے محمد بن قاسم کی وفات پر یہ شعر پڑھا ؎

بے شک مروت۔ رواداری اور جوانمردی محمد بن قاسم کے ساتھ مخصوص تہیں۔

سترہ سال کی عمر میں فوجوں کی سپہ سالاری کی تعجب ہو کہ یہ سرداری پیدائش سے کسقدر قریب ہو۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہو ؎

سترہ سال کی عمر میں مردوں کی سپہ سالاری کی عجب کہ اس کے ہم سن کھیل کود میں مصروف تھے۔

سندھ آنیکے اٹھارہ دن بعد یزید بن ابی کبشہ بھی مرگیا سلیمان نے حبیب بن مہلب کو سندھ کی لڑائی کا سپہ سالار بناکر بھیجا جس وقت حبیب سندھ پہنچا تو اکثر بادشاہان ہند اپنے ملکوں کیطرف لوٹ آرہے تھے (قابض ہوگئے تھے) چنانچہ داہر کا بیٹا جیشہ (جے سنگھ) برہمناباد واپس آگیا تھا حبیب دریائے سندھ کے کنارے اُترا اہل رُور نے اطاعت قبول کرلی اور ایک قوم سے) کچھ لڑائی ہوئی اُس میں حبیب فتحیاب ہوا (پھر سنہ ۹۰ھ میں) سلیمان کی وفات ہوئی اور اسکے بعد عمر بن عبد العزیز کی خلافت (شروع) ہوئی تو اُنھوں نے (سنہ میں) بادشاہان ہند کے نام خطوط لکھے جن میں اُنھیں اسلام اور اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی اور اُن سے یہ شرط کی کہ اسلام لانیکے بعد اُن کے ملکوں پر اُنھیں بادشاہ رہنے دیں گے اور مسلمانوں کے برابر اُنکو حقوق حاصل ہونگے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عاید ہوتی ہیں وہ اُن پر عائد ہوں گی۔ اہل سندھ کو عمر کے اخلاق وعادات اور طرز عمل کا علم ہوچکا تھا چنانچہ جیشیہ (جے سنگھ) و دیگر بادشاہان (سندھ و ہند) اسلام لے آئے اور عربوں کے سے نام رکھ لیے (۲۰) عمرو بن مسلم اس سرحد پر اُن کی جانب سے گورنر تھے۔ عمر نے ہندوستان کے بعض حصوں پر حملہ کیا اور فتح وظفر حاصل کی۔

حبیب بن مہلب

عمر بن مسلم

یزید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں مہلب کی اولاد سندھ بھاگ آئی تھی لہذا ہلال بن احوز تمیمی کو انکے مقابلہ کے لیے بھیجا مقابلہ ہوا۔ مدرک بن مہلب قندابیل میں قتل کر دیا گیا اور مفضل، عبدالملک، زیاد، مروان، معاویہ فرزندانِ مہلب بھی قتل کر دیئے گئے۔ علیٰ ہذا معاویہ بن یزید بھی اور لوگوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

جنید بن عبدالرحمٰن

عمر بن ہبیرہ والئی عراق کی جانب سے جنید بن عبدالرحمٰن مُرّی سرحد سندھ پر والی مقرر ہوا۔ بعد ازاں خود ہشام بن عبدالملک نے جنید کو سندھ کا گورنر بنا دیا جب خالد بن عبداللہ قسری عراق آیا تو ہشام نے جنید کو خالد سے خط و کتابت کرنے کا حکم لکھا (گویا پھر اُسے خالد، گورنر عراق کا ماتحت بنا دیا) جنید دیبل آیا دریائے سندھ کے کنارے اُترا جیشبہ نے دریائے سندھ کو عبور کرنے سے روکا، اور اُس کے پاس پیام بھیجا کہ میں اسلام لا چکا ہوں اور مجھ کو ایک نیک مرد (عمر بن عبدالعزیز) نے میرے ملک پر حاکم بنایا ہے اور تجھ سے میں مطمئن نہیں لہذا جنید نے (اس کے اطمینان کے لیے) رہن دیا (یعنی ضمانت دی) اور جو اس کے ملک پر خراج مقرر تھا اس کی ادائیگی پر اس سے رہن لیا (یعنی جنید جیشبہ کے ساتھ غدّاری نہ کریگا اور وہ برابر خراج ادا کرتا رہے گا اس پر طرفین نے ضمانت دی) پھر ان دونوں نے اپنا اپنا رہن واپس لے لیا۔ جیشبہ مرتد ہو گیا اور جنید سے لڑا بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیشبہ از خود نہیں لڑا بلکہ جنید ہی نے اس پر زیادتی کی تو وہ ہندوستان آیا اور فوجیں جمع کیں اور (جنگی) کشتیاں تیار کیں اور لڑائی کے لیے تیار ہو گیا اور کشتیوں میں سوار ہو کر بحری راستہ سے روانہ ہوا مشرقی ساحل پر مقابلہ ہوا۔ جیشبہ قید کر لیا گیا اس کی کشتی (ایک موقعہ پر) جھک گئی تھی آخر جنید نے اُسے قتل کر دیا۔ (۲۱) اور صصہ بن داہر بھاگ گیا چاہتا تھا کہ عراق جائے اور جنید کی غدّاری کی (خلیفہ سے) شکایت کرے جنید برابر اُسے پھسلاتا رہا یہاں تک کہ اُس نے خود کو جنید کے سپرد کر دیا تو اس نے صصہ کو قتل کر دیا۔ جنید نے کیرج پر حملہ کیا کیونکہ ان لوگوں نے معاہدہ توڑ دیا تھا (کیرج والے قلعہ میں پناہ گزیں تھے لہذا قلعہ کی دیواریں توڑنے کے واسطے) جنید نے سینگ مارنیوالا مینڈھا (مینڈھے کی شکل کا ایک قلعہ شکن آلہ) تیار کرایا اور اس سے قلعہ کی دیوار پر حملہ کیا یہاں تک کہ دیوار میں سوراخ کر دیا اور لڑتا ہوا شہر میں داخل ہو گیا۔ مقابلہ کرنیوالوں کو قتل اور باقی کو گرفتار کر لیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ جنید نے (کیرج سے فارغ ہو کر) مرمد، منڈل، دہنج اور بروص وغیرہ کی جانب اپنے سردار بھیجے اور (ان شہروں کو فتح کیا) جنید کہا کرتا تھا کہ وہ استقلال (اور بہادری) کیساتھ قتل ہونا گھبراہٹ کی حالت میں قتل ہونیسے بہت زیادہ دشوار ہے"

جنید نے ایک لشکر اُزّین کی جانب روانہ کیا اور حبیب بن مُرّۃ کو ایک لشکر کیساتھ ملک مالوہ کیجانب،

بھیجا۔ چنانچہ انھوں نے اُجّین میں تاخت وتاراج کی بہرمد پر حملہ کیا اور وہاں کے باغات وجنگلات میں آگ لگا دی جنید نے بیلمان اور جزر کو بھی فتح کرلیا۔ جنید نے اپنے ملنے جلنے والوں کو جو روپیہ دیا اُس کے علاوہ چالیس لاکھ درہم اس کے پاس بچ رہے اور اسیقدر بیت المال (خزانہ شاہی) کیلیے بھیجا۔ جریر شاعر نے اس پر کہا۔

جنید کے ملنے جلنے والے اور ساتھی صبح کے وقت ایک کشادہ پیشانی بہتر بخششوں والے شخص کو سلام کرتے ہیں۔

ابو الجویریہ شاعر کہتا ہے۔

اگر کوئی قوم بزرگی کی بنا پر اپنے حسب ونسب اور عظمت وجلال کیوجہ سے آفتاب کے اوپر
بیٹھی ہوتی تو قبیلہ جنید کے لوگ ضرور بیٹھتے۔

(۲۲) ان کے پاس جو بزرگی ہو اس پر لوگ اُن سے حسد کرتے ہیں خدا اُن سے کبھی وہ چیز نہ
چھینے جس کی وجہ سے حسد کیا گیا ہو۔

تمیم بن زید

پھر جنید کے بعد تمیم بن زید القینی کو (سندھ) کا گورنر مقرر کیا مگر تمیم بہت زیادہ بیکار اور نااہل ثابت ہوا۔ آخرکار دیبل کے قریب ایک چشمہ پر جسے "ماء الجوامیس" کہتے ہیں مرگیا۔ اس چشمہ کو ماء الجوامیس اس لیے کہتے ہیں کہ دریائے سندھ کے کنارے پر ایک قسم کی نیلی مکھیاں ہوتی ہیں اُن کی وجہ سے بھینسوں کو ساحل دریائے سندھ سے یہاں لے آتے ہیں۔ تمیم عرب کے مشہور سخیوں میں سے تھا (جب یہ سندھ میں گورنر ہوکر آیا تو اس نے سندھ کے خزانہ میں اٹھارہ لاکھ طاطری درہم موجود پائے بہت جلد اُن کو تقسیم کردیا۔ تمیم کے ہمراہ قبیلہ بنی یربوع کا ایک نوجوان جسکو خنیس کہتے تھے لشکر میں (بھرتی ہوکر) ہندوستان چلا آیا تھا اُس کی ماں قبیلہ طے سے تھی (بیٹے کی ماتا سے مجبور ہوکر) فرزدق شاعر کے پاس آئی اور اُس سے التجا کی کہ خنیس کی واپسی کے بارے میں تمیم کو لکھے اور (فرزدق کو مجبور کرنے کے لیے) اس کے باپ غالب کی قبر کی پناہ لی (واسطہ دیا)۔ فرزدق نے تمیم کو لکھا۔

اے تمیم خنیس کی ماں میرے پاس آئی اور غالب کے گڑھے (یعنی قبر) کا واسطہ دیا جس پر خاک اُڑ رہی ہے
لہذا خنیس کو مجھے بخشدے اور اس بارے میں تو اُس بیکس ماں کی حاجت کیوجہ سے احسان کر جس کے
حلق سے پانی بھی نہیں اُترتا۔

اے تمیم بن زید یہ حاجت پس پشت نہ ڈالدی جائے اور اسکا جواب بھی تجھ پر گراں نہ ہو۔

(۲۳) اور اس بارے میں زیادہ پوچھ گچھ نہ کرنا کیونکہ میں ایسی آرزوؤں سے بیزار ہوں۔
جن کے پورا ہونے میں دیر ہو۔

نوجوان کا نام تمیم کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جیس ہے یا خنیس ہے لہذا اُس نے حکم دیا کہ جن جن لوگوں کے نام

ان حرفوں پر ہوں اُن کو واپس بھیج دو (کیونکہ فرزدق نے پوچھ گچھ سے منع کیا تھا) تمیم کے زمانے میں اکثر مسلمان بلادِ ہند سے واپس چلے آئے اور اُنھوں نے اپنے جنگی مرکزوں (چھاؤنیوں) کو چھوڑ دیا اور اب تک بھی پھر وہاں لوٹ کر نہ جا سکے۔

حکم بن عوانہ

پھر حکم بن عوانہ کلبی کو (سندھ) کا گورنر بنایا گیا اس زمانے میں سوائے باشاہ قصہ (کچھ) کے اور تمام توملم ہندوستانی مرتد ہو چکے تھے لہٰذا مسلمانوں کے لیے کوئی ایسی پناہ کی جگہ جسمیں وہ اطمینان کیساتھ پناہ لیں نظر نہ آئی تو اس نے دریا کے اس جانب ہندوستان سے متصل ایک شہر آباد کیا اور محفوظہ اُس کا نام رکھا اور اُسے مسلمانوں کے لیے مرکز اور جائے پناہ بنایا اور (آبادی میں توسیع کر کے) شہر بنا دیا۔

حکم نے قبیلہ کلب کے شامی بزرگوں سے دریافت کیا کہ تمھاری کیا رائے ہو اس شہر کا کیا نام رکھیں کسی نے کہا دمشق، کسی نے کہا حمص، ان میں سے ایک شخص بولا تدمر (ہلاک ہو) نام رکھدو حکم نے (غصہ میں آکر) کہا خدا تجھے غارت کرے احمق (تو تدمر کہتا ہو) میں اسکا نام محفوظہ رکھوں گا۔ حکم نے اسی شہر میں اقامت اختیار کی محمد بن قاسم کا لڑکا عمرو حکم کے ہمراہ تھا حکم اپنے بہت سے اہم امور اور بڑے بڑے کام اُس کے سپرد کر دیا کرتا تھا اور اُسی کو اُن کا ذمہ دار بنا دیتا تھا۔ چنانچہ حکم نے محفوظہ سے (بلادِ ہند کی جانب) لڑنے کیواسطے اُسے روانہ کیا جب عمرو مظفر و منصور واپس آیا تو دریا کے ادھر ایک شہر آباد کیا اور منصورہ اُس کا نام رکھا یہی منصورہ ہو جس میں آجکل حکام قیام کرتے ہیں جن علاقوں پر دشمن غالب آگئے تھے حکم نے اُن سب کو (دشمنوں کے قبضہ سے) چھڑا لیا لوگوں نے حکم کی حکومت کو بہت پسند کیا۔ خالد کہا کرتا تھا (۲۴) تعجب ہو میں نے عرب کے (ایک بہترین) نوجوان کو حاکم بنایا تو اُس کو لوگوں نے چھوڑ دیا۔ یعنی تمیم اور عرب کے سب سے زیادہ بخیل شخص کو گورنر بنایا تو لوگ اُس سے راضی ہو گئے (یعنی حکم) بعد ازاں حکم وہیں قتل کر دیا گیا۔ حکم کے بعد سندھ کے حکام (آتے تھے) دشمنوں سے لڑتے تھے اور جو کچھ تھوڑا بہت مالِ غنیمت یا خراج) ہاتھ آتا تھا وہی لے لیتے تھے اور جن اطراف و جوانب کے لوگ عہد شکنی کرتے تھے اُنھیں فتح کرتے تھے (غرض چونکہ حکومت بنی اُمیہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا لہٰذا کوئی مستحکم اور منظم حکومت نہ قائم ہو سکی اور بہت ابتری کا زمانہ گذرا)

باب (۴)

جب دولت مبارکہ (حکومت عباسیہ) کا آغاز ہوا اور ابو مسلم عبد الرحمٰن بن مسلم نے مغلس عبدی کو سرحد سندھ پر والی بنایا اور طخارستان پر اُس نے قبضہ کر لیا تو وہاں سے روانہ ہوا یہاں تک کہ منصور بن جمہور کلبی کے پاس (سندھ) پہنچا۔ منصور اُس وقت سندھ میں تھا لہٰذا منصور نے مغلس سے مقابلہ کیا اور اس کو قتل کر دیا اور لشکر کو شکست دیدی جب ابو مسلم کو اس کی خبر پہنچی تو اُس نے موسیٰ بن کعب تمیمی کو (اس جنگ کا) سپہ سالار بنایا اور اُسکو سندھ کیجانب

روانہ کردیا۔ جب موسیٰ سندھ آیا اور اُس کے اور منصور کے درمیان صرف دریائے سندھ رہ گیا تو دونوں لشکروں کا

موسیٰ بن کعب

مقابلہ ہوا (اور خوب جنگ ہوئی) موسیٰ نے منصور اور اس کی فوج کو شکست دیدی اور منظور برادر منصور کو قتل کردیا منصور شکست کھا کر بھاگا یہاں تک کہ ریگستان میں جا پھنسا اور وہاں پیاس (کی تکلیف سے) ہلاک ہوگیا۔

جب موسیٰ کو سندھ کا (مستقل) گورنر بنا دیا گیا تو اُس نے منصورہ کی مرمت کی مسجد میں اضافہ کیا اور (بہت سی لڑائیاں) لڑا اور فتحیاب رہا جب امیرالمومنین منصور خلیفہ ہوئے تو اُنھوں نے ہشام بن عمر تغلبی کو سندھ کا گورنر تجویز کیا جو علاقے اب تک فتح نہ ہوسکے تھے اُن کو ہشام نے فتح کیا۔ عمر بن جمل کو جنگی کشتیوں میں (سوار کرکے) نارند کیجا نب بھیجا علیٰ ہذا ہندوستان کیجانب بھی روانہ کیا چنانچہ اس سفر میں اُس نے کشمیر فتح کیا اور

ہشام بن عمرو

(۲۵) بہت سے قیدی اور غلام ہاتھ آئے ملتان بھی فتح کرلیا۔

قندابیل میں عرب کے باغیوں کی ایک جماعت تھی اُن کو وہاں سے جلا وطن کیا اور (براہِ دریا) کشتیوں میں سوار ہوکر قندھار آیا اور اُس کو فتح کیا وہاں کے مندر کو ڈھا کر اس کی جگہ مسجد تعمیر کرائی۔ ہشام کے عہد حکومت میں تمام شہر خوب سرسبز و شاداب اور آباد رہے لہٰذا اہل ہند نے اس کو باعثِ برکت سمجھا تمام سرحدی علاقہ کو اُس نے قبضہ میں کرلیا اور امور سلطنت کو خوب مستحکم کردیا۔

عمر بن حفص اور داؤد

پھر عمر بن حفص ہزار مرد اور اس کے بعد داؤد بن یزید بن حاتم (یکے بعد دیگرے) سرحد سندھ کے گورنر بنائے گئے۔ اسی داؤد کے ساتھ وہ ابوصمہ بھی تھا جو آجکل (سندھ پر) قابض (اور) باغی ہے یہ قبیلہ کندہ کا آزاد کردہ غلام ہے (اسیطرح) اس سرحد کا نظم ونسق برابر درست رہا یہانتک کہ خلافت مامون کے عہد حکومت میں بشر

بشر بن داؤد

بن داؤد گورنر بنا اور اُس نے خلیفۃ المسلمین کی نافرمانی اور مخالفت کی تو (اُس کی سرکوبی کیلیے) غسان بن عباد کو اُس کی جانب روانہ کیا گیا۔

غسان

غسان سواد کوفہ کا باشندہ تھا۔ بشر امان لیکر غسان کے پاس چلا آیا اور وہ اس کو اپنے ہمراہ مدینۃ السلام (بغداد) لے آیا۔

موسیٰ

غسان نے سرحد پر موسیٰ بن یحییٰ بن خالد بن برمک کو اپنا قائم مقام چھوڑا موسیٰ نے مشرقی ہند کے بادشاہ "بالا" کو قتل کردیا۔ حالانکہ اُس نے موسیٰ کو پانچ لاکھ درہم اس بات پر دیئے تھے کہ وہ اُسے زندہ رہنے دے (مگر موسیٰ نے منظور نہیں کیا) اور (اسکی وجہ یہ تھی کہ) اس "بالا" نے غسان کا حکم ٹال دیا تھا (واقعہ یہ ہے) کہ غسان نے بالا کو بھی دوسرے بادشاہوں کی طرح اپنے دربار میں حاضر ہونیکا حکم دیا تھا اُس نے انکار کردیا اور نہ مانا۔

موسیٰ نے (اپنے عہد حکومت میں) بہت اچھا اثر قائم کیا اور [illegible] میں مرگیا اور (مرنے سے پہلے) اپنے بیٹے

عمران

عمران کو اپنا قائم مقام بنا دیا۔ امیرالمومنین معتصم باللہ نے عمران کو سرحد سندھ کی گورنری کا فرمان لکھدیا۔ عمران

قیقان کیجانب روانہ ہوا اہل قیقان جاٹ ہیں اُن سے لڑائی ہوئی عمران اُنپر غالب آیا اور ایک شہر بنایا جسکا بیضاً نام رکھا اور فوجیں وہیں اُتاریں (۲۶) پھر منصورہ واپس آیا اور وہاں سے قندابیل آیا قندابیل ایک پہاڑ پر واقع ہے وہاں ایک باغی (حکمراں) تھا جس کو محمد بن خلیل کہتے تھے اُس سے لڑائی ہوئی قندابیل فتح کرلیا اور وہاں کے سرداروں کو پکڑ کر قصدار لایا بعد ازاں مید (بحری قزاقوں) پر حملہ کیا تین ہزار آدمی (اس حملہ میں) اُنکے قتل کیے اور ایک بند باندھا جو "سکر مید" کے نام سے مشہور رہا۔

عمران نے نہر رور پر فوجیں اُتاریں پھر جو جاٹ اس کے گرد و پیش تھے اُن کو بلوایا وہ سب حاضر ہوئے عمران نے ان سب کے ہاتھوں پر مہریں لگوائیں اور اُن سے جزیہ وصول کیا اُس نے جاٹوں کو حکم دیا تھا کہ جب وہ اسکے سامنے آئیں تو ہر ایک کیساتھ ایک کُتّا ہو (اس کی وجہ سے) کُتّے کی قیمت پچاس درہم تک پہنچ گئی تھی پھر مید پر حملہ کیا (اس مرتبہ) جاٹوں کے بڑے بڑے سردار اُس کیساتھ تھے (جب لڑائی سے وہ لوگ قابو میں نہیں آئے) تو اُس نے سمندر سے ایک نہر کھودی اور اُن کی جھیل میں اُسے لا ڈالا یہانتک کہ تمام (پینے کا پانی) شور ہوگیا اور خوب اچھی طرح اُنکو تاخت و تاراج کیا۔ بعد ازاں یمنی اور نزاری قبیلوں میں عصبیت پیدا ہوگئی عمران یمنی قبائل کیجانب مائل ہوا لہذا عمر بن عبدالعزیز ہباری اُس کیجانب چلا اور بے خبری کیحالت میں اُسے قتل کردیا۔ اس عمران کا دادا ان لوگوں میں سے تھا کہ جو حکم بن عوانہ کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔

فضل بن ماہان

منصور بن حاتم نے مجھ سے بیان کیا کہ فضل بن ماہان نے جو بنی سامہ کا آزاد کردہ غلام تھا سندان فتح کیا اور اسپر غالب آگیا اور مامون رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ہاتھی (بطور تحفہ) بھیجا اور جو جامع مسجد اُس نے سندان میں بنوائی تھی اُسمیں مامون کیلیے دُعا کی (یعنی خطبہ پڑھا) جب فضل کا انتقال ہوگیا تو اس کا بیٹا محمد بن فضل بن ماہان اُسکا قائم مقام ہوا اُو۔ بنگی جہاز لیکر ہندوستان کے مید (بحری قزاقوں) کیجانب روانہ ہوا (لڑائی ہوئی) اور اُن میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا قالی کو فتح کیا (۲۷) اور پھر وہاں سے سندان لوٹ آیا یہاں اس کا بھائی جسکو ماہان بن الفضل کہتے تھے سندان پر قابض ہوچکا تھا اور امیرالمومنین معتصم باللہ سے خط و کتابت (اپنی حکمرانی کے متعلق) کرلی تھی سال کی ایک لمبی چوڑی لکڑی بطور تحفہ بھیجی تھی کہ اتنی لمبی چوڑی سی لکڑی آجتک نہیں دیکھی گئی۔

محمد بن فضل

(مگر) ہندوستان کے لوگ اس کے بھائی کے حق میں تھے چنانچہ اُنھوں نے ماہان پر حملہ کیا اور اُس کو قتل کر ڈالا اور سولی پر چڑھا دیا اس کے بعد اہل ہند نے سندان پر قبضہ کرلیا اور صرف جامع مسجد مسلمانوں کے لیے آزاد رہنے دی جسمیں وہ آکر جمعہ کی نماز ادا کرلیا کریں اور اپنے خلیفہ کے لیے دعا مانگ لیا کریں۔

ابوبکر سولی کرزیں نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک شہر ہے جس کو عسیفان کہتے ہیں کشمیر اور کابل اور ملتان کے درمیان واقع ہے اس شہر کا بادشاہ ایک عقلمند شخص تھا اور باشندے ایک بت کی پوجا کرتے تھے

جس پر ایک مندر تعمیر تھا اور اس مورتی کو کپڑے پہنا رکھے تھے (ایک مرتبہ) بادشاہ کا لڑکا بیمار ہوا اُس نے مندر کے پجاریوں کو بلوایا اور اُن سے کہا کہ تم اپنے بُت سے دُعا مانگو کہ وہ میرے بیٹے کو تندرست کر دے (اونھوں نے کہا بہت اچھا جاتے ہیں) تھوڑی دیر کے لیے اُس کے پاس سے غائب ہوگئے اور پھر آکر کہا کہ ہم نے دُعا کی اور جس چیز کا ہم نے سوال کیا تھا اُس کو اُس نے منظور کر لیا۔ لڑکا تھوڑی دیر بھی نہ گذری کہ مرگیا۔ بادشاہ نے غیظ و غضب میں آکر (اول) مندر پر حملہ کیا اور اُسے ڈھا دیا (پھر) بُت پر حملہ کیا اور اُسے توڑ دیا اور پھر پجاریوں پر حملہ کیا اور اُن سب کو قتل کر دیا۔ بعد ازاں مسلمان تاجروں کے ایک گروہ کو بلوایا اُنھوں نے توحید اُس کے سامنے پیش کی چنانچہ اُس نے توحید کو قبول کیا اور مسلمان ہوگیا۔ یہ واقعہ امیر المومنین معتصم باللہ کی خلافت کا ہے۔



ترجمہ
مقامات بدیع الزماں ہمدانی
پہلا مقامہ قریضیہ

عیسیٰ بن ہشام نے ہم سے بیان کیا کہ غریب الوطنی نے مجھے کہیں سے کہیں پہنچا دیا یہاں تک کہ جب میں نے جرجان (قصبہ) میں قدم رکھا تو حوادث زمانہ سے بچنے کے لیے (مذکورہ ذیل اشیاء سے) میں نے تقویت حاصل کی، ایک جاگیر (کاشت کی زمین) جس میں آبادی کے ہاتھ کو میں نے حرکت دی (یعنی آباد اور قابل زراعت بنایا) اور کچھ مال جس کو تجارت کے لیے وقف کر دیا (کاروبار میں لگا دیا) اور ایک دوکان جسے میں نے آمد و رفت اور ملاقات کا ٹھکانا بنا دیا اور چند رفقاء سفر جن کو (تفریح طبع کے لیے) میں نے اپنا دوست بنا لیا (غرض مالی مشکلات کو دور کرنے کے لیے تجارت و زراعت، تعارف اور شہرت کیلیے دوکان، تفریح طبع اور دلچسپی کیلیے یاران طریقت تجویز کر کے تکالیف سفر سے نجات حاصل کی) دن کی دونوں جانبیں (صبح و شام) گھر کے لیے تجویز کیں اور درمیانی حصہ دوکان کے لیے (یعنی صبح و شام گھر رہتا اور باقی دن کا حصہ دوکان پر گذارتا) ایک روز ہم بیٹھے ہوئے شاعری اور شعراء کا ذکر کر رہے تھے اور ہمارے روبرو (ایک نوجوان) ہم سے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ (ہماری باتیں) کان لگائے (اس طرح) سن رہا تھا کہ گویا (سب کچھ) سمجھتا ہو مگر خاموش تھا (جس سے معلوم ہوتا تھا) کہ گویا کچھ نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ جب ہماری گفتگو حد سے بڑھ گئی اور لڑائی جھگڑے کی نوبت آ گئی (یعنی گفتگو نے نزاع کی صورت اختیار کر لی) تو اس نوجوان نے کہا (تم لڑتے کیوں ہو) تم نے تو اس (بحث کے پھل دار درخت کو (یعنی مجھ کو) پا لیا۔ اور اس (موضوع) کا ستون (یعنی قابل اعتماد شخص) تمھیں مل گیا۔ اگر میں چاہوں تو (اس موضوع پر) بولوں اور واضح کر دوں اور اگر میں (کچھ) کہوں تو تشنگان تحقیق کو اس بحث کے سرچشمہ پر) لاؤں اور (سیراب کر کے) واپس کر دوں اور مقام تحقیق میں حق کو اس طرح روشن کر دوں جو بہروں کو سننے والا بنا دے اور پہاڑی بکروں کو مسحور کر کے پہاڑوں سے نیچے) اتار لائے میں نے کہا:۔ اے فاضل! ذرا قریب آ، تو نے تو آرزو مند بنا دیا اور لا (کیا تیرے پاس ہی) تو نے تو معلوم ہوتا ہے کہ) اگلے دانت بھی جھاڑ دیئے ہیں (یعنی جوان ہونے کے باوجود بڈھوں اور تجربہ کاروں کی سی باتیں کرتا ہے) تو وہ قریب ہوا اور کہا (جو تمھارا جی چاہے) تم مجھ سے سوال کرو میں تم کو جواب دوں گا اور (میری باتیں) سنو میں تم کو خوش کر دوں گا۔ ہم نے کہا امراء القیس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔ اس نے کہا وہ سب سے پہلا شخص ہے جو (دوستوں کے اُجڑے ہوئے) گھروں اور میدانوں میں ٹھہرا (اور ان کو یاد کر کے آنسو بہائے)

اور صبح سویرے ایسے وقت سفر شروع کیا جبکہ پرندے اپنے گھونسلوں میں تھے (یعنی پرندوں کے اُٹھنے سے پہلے سفر میں نکل کھڑا ہوا[1]) اور گھوڑوں کی صفات کما حقہ بیان کیں اور (بڑی خوبی یہ ہو کہ) کمائی کی خاطر شعر نہیں کہا اور لالچ کی وجہ سے عمدہ اشعار نہیں کہے۔ لہذا وہ فضیلت میں ان سب لوگوں سے بڑھ گیا جن کی زبانیں حیلۂ معاش کے لیے کھلیں اور طمع کی وجہ سے ان کے پوروں نے حرکت (اور قلم نے جنبش) کی ہم نے کہا نابغہ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ کہا جب عاشق ہوتا ہے تو خوب غزل سرائی کرتا ہے اور جب ناراض ہوتا ہے تو خوب گالیاں دیتا ہے اور جب لالچ ہوتی ہے تو تعریف کرتا ہے۔ اور جب خوف ہوتا ہے تو معذرت کرتا ہے۔ اس کا کوئی نشانہ خطا نہیں کرتا۔ ہم نے کہا اچھا زہیر کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا وہ شعر کو پگھلاتا ہے اور شعر اس کو پگھلاتا ہے (یعنی وہ شعر میں جیسا چاہے تصرف کرتا ہے اور شعر اس پر پورا پورا اثر کرتا ہے) وہ شعر کو بلاتا ہے اور جادو اس کے پاس آتا ہے (یعنی شعر کہنا چاہتا ہے اور جادو ادا ہوتا ہے) ہم نے کہا طرفہ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ کہا وہ تو شعر کا پانی اور گارا ہے (اسی آب و گل سے تمام شعرا کے اشعار بن بن کر آتے ہیں) وہ قافیوں کا خزانہ اور شہر ہے (غریب) مر گیا حالانکہ ابھی اس کے دفینوں کے راز ظاہر بھی نہیں ہوئے تھے اور اس کے خزانوں کے تالے کھلے بھی نہیں تھے۔

ہم نے کہا جریر اور فرزدق کے بارے میں تو کیا کہتا ہے اور ان میں سے کون بڑھا ہوا ہے اس نے کہا جریر کے اشعار بہت لطیف اور کلام کی آمد بہت زیادہ ہے اور فرزدق (اشعار کی چٹان) الفاظ کی بندش و شعر کی سطح کے اعتبار سے بہت مضبوط اور فخر میں بہت بڑھا ہوا ہے (دوسرا فرق) جریر ہجو کے اعتبار سے زیادہ تکلیف دہ اور حالت امروزہ کے اعتبار سے بہت شریف ہے۔ اور فرزدق قصد (مطالب) کے اعتبار سے بہت بڑھا ہوا ہے اور قوم کے اعتبار سے بہت شریف ہے (گویا جریر کا فخر ذاتی کمالات پر ہے۔ شرافت قومی اسے حاصل نہیں اس کے برعکس فرزدق قوم کے اعتبار سے بہت شریف ہے لہذا وہ قومی مفاخر میں بہت بڑھا ہوا ہے (تیسرا فرق) جریر جب غزل کہتا ہے تو درد مند بنا دیتا ہے اور جب عیب جوئی کرتا ہے تو ہلاک کر دیتا ہے اور جب تعریف کرتا ہے تو (ممدوح) کو بہت بلند کر دیتا ہے اور فرزدق جب اپنے مفاخر بیان کرتا ہے تو بے نیاز کر دیتا ہے اور جب کسی کی تحقیر کرتا ہے تو اسے عیب دار بنا دیتا ہے اور جب (کسی چیز کی) صفات بیان کرتا ہے تو پوری پوری بیان کرتا ہے۔ ہم نے کہا نئے اور پرانے شعرا کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا متقدمین کے ہاں الفاظ بہت پر شوکت اور معانی کا حصہ بہت زیادہ ہے اور متاخرین کے ہاں صنعت (شعر گوئی) بہت لطیف اور بناوٹ (شعر کی ترتیب اور بندش) بہت نازک ہے۔ ہم نے کہا کیا اچھا ہو اگر تو اپنے اشعار (کا نمونہ) دکھلائے اور اپنے حالات بیان کرے؟ اس نے کہا کہ دونوں باتیں ایک ہی جگہ لو اور (یہ اشعار) کہے۔ ؎

[1] امرؤ القیس سے پہلے اہل عرب عام طور پر رات میں سفر کرتے تھے اور صبح سویرے پڑ کر سوتے تھے امرؤ القیس سب سے پہلا شخص ہے جس نے صبح سویرے سفر کیا

۲۴ (ا) کیا تم مجھے نہیں دیکھتے کہ پرانی چادر اوڑھے ہوئے ہوں تنگدستی میں تلخ حالت پر سوار ہوں (اور فقر و افلاس کی تکالیف برداشت کر رہا ہوں)

حوادث زمانہ کا کینہ پہلو میں دبائے ہوئے ہوں (کیونکہ) زمانہ کی سرخ گردشوں سے ملاقات کیے ہوئے ہوں (تباہ کن مصائب جھیلے ہوئے ہوں)

(ب) میری انتہائی آرزو شعری کا نکل آنا ہے۔ اس لیے کہ ہم ایک زمانہ تک (دوام عیش کی جھوٹی) آرزوؤں میں مبتلا رہے ہیں (اب آنکھ کھلی ہے)

یہ شریف آدمی (یعنی میں) بلند مرتبہ تھا اور اس کی آبرو بہت گراں نرخ تھی۔

دار ہی کی حویلی اور کسریٰ کے ایوان میں میں نے خوشحالی اور عیش و نشاط کے سبز خیمے لگائے تھے

اب زمانہ کی پشت پیٹھ سے بدل گئی (بہتری بدتری سے بدل گئی) اور میری اچھی زندگی بری ہو گئی

میری کثیر دولت کا اب صرف نام باقی رہ گیا اور پھر ابھی یہی حالت چلی جا رہی ہے۔

اگر سر من رائے میں میری ایک بڑھیا نہ ہوتی اور جابل بصری کے ڈر سے میرے چھوٹے بچے نہ ہوتے۔

جن پر زمانہ نے افلاس و تنگدستی کا ستم ڈھا رکھا ہے تو اے میرے سردار! میں اپنے تئیں گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیتا۔

عیسیٰ بن ہشام نے کہا کہ جو (اس وقت) میسر تھا میں نے اسے دیدیا اور وہ ہمارے پاس سے اٹھ کر چلا گیا (مگر) میں کبھی اس کی (شناخت کی) نفی کرتا اور کبھی اثبات (یعنی کبھی کہتا کہ میں نے اسے نہیں دیکھا کبھی کہتا کہ دیکھا ہے) اور میں اسے نہیں پہچانتا تھا (حالانکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ) گویا میں اسے پہچانتا ہوں (اسی گومگو میں تھا) پھر مجھے اس کے اگلے دونوں دانتوں نے اس کا پتہ دیا میں نے کہا ارے یہ تو ہمارا اسکندری ہے واللہ ہم سے جدا ہوا تھا تو ہرن کے بچے کی طرح (نوعمر) تھا اور اب ہمیں ملا ہے تو بڈھا کھوسٹ ہے۔ اور میں اس کے پیچھے اٹھا اور اس کی کوکھ پر ہاتھ مارا اور کہا کیا تو ابو الفتح اسکندری نہیں ہے؟ کیا ہم نے تجھے بچے سے کو نہیں پالا تھا اور کیا تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہمارے پاس نہیں گذارے کونسی بڑھیا تیری "سر من رائے" میں ہے؟ تو وہ مجھے دیکھ کر ہنس پڑا اور کہا ؎

تیرا برا ہو یہ زمانہ جھوٹ کا ہے بس کوئی فریب تجھے دھوکہ میں نہ ڈالدے۔

ایک حالت پر مت اڑے رہو بلکہ جیسے زمانہ گھومے تم بھی گھومو۔

دوسرا مقامہ

(۳۵) ہم سے عیسیٰ بن ہشام نے بیان کیا کہ میں "آزاذ" نامی کھجور کے موسم میں بغداد میں تھا ایک روز گھر سے نکلا تاکہ "آزاذ" کی قسموں میں سے کوئی قسم خریدنے کے لیے پسند کروں۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک آدمی کے پاس پہنچا جس نے تمام قسم کے پھل لے رکھے تھے اور اُن کو جدا جدا لگا رکھا تھا۔ اور تازی کھجور کی تمام قسمیں جمع کر رکھی تھیں اور اُن کو قرینہ سے چُن رکھا تھا پس میں نے ہر چیز میں سے سب سے بہتر پر قبضہ کر لیا اور ہر قسم میں سے جو سب سے عمدہ تھی اسے علیحدہ کر لیا۔ جب میں نے تہبند کے کنارے اُن بوجھوں پر سمیٹے (کہ لیکر چلوں) یکایک میری نظریں ایک ایسے شخص پر جا پڑیں جس نے حیا کی وجہ سے اپنا (چہرہ) نقاب میں چھپا رکھا تھا اور سیدھا کھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ پھیلا رکھا تھا۔ بیوی کو پہلو میں لے رکھا تھا اور بچوں کو گود میں اور ایسی بلند آواز سے جو سینہ میں کمزوری اور کمر میں توانی پیدا کرتی تھی یہ کہہ رہا تھا ؎

میری تمام حسرت وافسوس دو مٹھی ستو رن پر ہے یا ایک چربی کا ٹکڑا جو آٹے میں ملا ہوا ہو۔

یا ایک پیالہ شوربے سے بھرا ہوا جو بھوک کے حملوں کو رد کردے!

اور رستہ کی گذرگاہ سے ہم کو ہٹا دے۔ اے تنگدستی کے بعد دولت کے دینے والے!

کسی ایسے سخی جوان کے ہاتھ پر (ہمارا سوال) آسان کر دے جو عالی نسب اور عظمت میں شریف خاندان ہو۔

توفیق (خیر) کے قدموں کو ہمارے پاس لائے اور میری زندگی کو بے سلیقی کے ہاتھ سے چھڑا دے

عیسیٰ بن ہشام نے کہا میں نے کیسہ (بٹوے) میں سے کچھ نکالا اور دیدیا تو اُس نے کہا ؎

(۳۶) اے وہ شخص جس نے اپنے اچھے سلوک سے ہمیں نوازا، تو اس کے اچھے راز کو خدا کے سپرد کر دے (اور کسی سے مت کہہ)

اور خدا سے اس کی عمدہ پردہ پوشی کی حفاظت طلب کر اگر مجھ میں شکریہ کی طاقت نہیں تو (نہ گھبرا)

خدا اس کا اجر دینے کے لیے موجود ہے (وہ تجھے ضرور اجر دے گا)۔

عیسیٰ بن ہشام نے بیان کیا کہ میں نے اس سے کہا کہ ابھی بٹوے میں کچھ اور بچا ہوا ہے تو اپنی اندرونی حالت ظاہر کر میں تجھے جو کچھ اس میں ہے سب دیدوں گا۔ تو فوراً اُس نے نقاب کو دور کر دیا۔ بخدا وہ تو ہمارا شیخ ابوالفتح اسکندری نکلا میں نے کہا تیرا بُرا ہو تو کیا بلا ہے" کہنے لگا ؎

لوگوں کو فریب اور دُھوکہ دے کر زندگی گذارتا ہوں۔

کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ زمانہ ایک حالت پر باقی نہیں رہتا پس میں بھی اُسکی نقل اُتارتا ہوں
کسی دن زمانہ کا شر مجھ پر کارگر ہو جاتا ہے اور کسی دن میری تیزی اور چالاکی اس پر کارگر ہو جاتی ہے

تیسرا مقامہ بلخیہ

عیسے بن ہشام نے بیان کیا کہ مجھے کپڑے کی تجارت بلخ لے چلی چنانچہ میں وہاں اس حالت میں پہنچا کہ چڑھتی جوانی اور فارغ البالی اور دولت وثروت کے زیور میں (مست) تھا (۳۷) سوائے اس کے اور کوئی فکر نہ تھی کہ کسی فکر کی بھیڑیؔ کو رام کروں یا کسی وحشی کلمہ کو شکار کرلوں (یعنی نتائج فکر کے اضافہ اور معلومات میں ترقی کرنے کے سوا اور کوئی فکر نہ تھی)

مگر جب تک میں وہاں رہا میرے اپنے کلام سے زیادہ فصیح کوئی کلام میرے کان میں نہ پڑا (حتی کہ) جب فراق نے ہمارے واسطے اپنی کمان موڑ دی یا قریب تھا کہ موڑ دے (یعنی بلخ سے روانہ ہو جائیں) اُس وقت میرے پاس ایک نوجوان آیا ایسی (پیاری) ہیئت میں جو آنکھوں میں سمائی جاتی تھی (اتنی بڑی) داڑھی جو گردن کی رگوں میں گھسی جاتی تھی (ایسی (دلکش اور چمکدار) آنکھیں جنہوں نے دجلہ اور فرات کا پانی پیا تھا اور مجھ سے اس قدر خوبی اور تعریف کے ساتھ ملا کہ میں نے اس کے عوض میں اس کو بہت زیادہ انعام دیا۔ پھر کہا کیا سفر کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا ہاں بخدا، اس نے کہا" خدا کرے تمھارا رائد (خیر و خوبی کا تلاش کرنے والا) سرسبز و شاداب مقام پر پہنچے اور تمھارا رہبر راستہ نہ بھولے"۔ پھر کب ارادہ کیا؟ میں نے کہا کل صبح سویرے۔ اُس نے کہا ؎

یہ اللہ کی صبح ہو نہ جدائی کی اور یہ (دوبارہ) ملاقات کی فال ہو نہ کہ (دائمی) جدائی کی۔

کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا وطن کا اُس نے کہا "خدا کرے تو وطن پہنچے اور تیری مرادیں برآئیں"۔ واپسی کب ہو؟ میں نے کہا اگلے سال۔ تو اُس نے کہا خدا کرے تو (لیل و نہار کی) چادر کو طے کرے اور (پھر سفر کے) تاگے کو دُہرا کرے (یعنی یہ سال وطن میں بخیر و خوبی گذار کر پھر بلخ واپس آئے) پھر کہا اچھا یہ تو بتلاؤ۔ کہ فیاضی میں تم کس درجہ پر ہو؟ (کتنے پانی میں ہو) میں نے کہا جہاں تم چاہو۔ تو اُس نے کہا جب اللہ پاک تم کو اس راہ سے صحیح سالم واپس لائے تو میرے لیے ایک دشمن دوست کے لباس میں اپنے ہمراہ لیتے آنا جو رومیوں کی نسل سے ہو۔ کفر کی طرف دعوت دیتا ہو، ناخون پر ناچتا ہو، سورج کی ٹکیہ (یا آنکھ کے ڈھیلے) کی طرح گول ہو، قرض کے بوجھ کو اُتار دے اور دورخی منافقت برتتا ہو۔ عیسے بن ہشام نے کہا میں سمجھ گیا کہ وہ دینار مانگتا ہے۔ میں نے کہا ایک تو ابھی لو اور ایک کا وعدہ (۳۸) تو کہنے لگا ؎

ے نام قدیم نسخوں میں شہرۃ فکر استفید ہا ہے جسکا ترجمہ کیا گیا ہے مگر بحر الجواہر کے تازہ ایڈیشن میں ترجمہ فکر استفید ہا ہے جسکے معنی یہ ہیں کوئی پاکیزہ دلسکر حوری حاصل کروں ۱۲

کہ تیری رائے اُس سے اعلیٰ ہے جس کی طرف میں نے تجھے دعوت دی (خدا کرے) تو سدا بزرگیوں کا سزاوار رہے۔

خدا کرے تیری لکڑی (قد و قامت) سخت۔ تیری بخشش دائمی، تیری نسل روز افزوں اور تیری اصل (آبا و اجداد) پاک رہیں۔

نہ میں (اپنی شرافت کی وجہ سے) بخشش کا بوجھ اُٹھا سکتا ہوں اور نہ سوال کے بار کی طاقت رکھتا ہوں میں تیری (خوبیوں کی) انتہا کے پہنچنے سے قاصر رہا اور تو عملاً میرے گمان سے بھی بڑھ گیا۔

اے زمانہ اور بزرگیوں کے سہارے زمانہ کبھی تیری جدائی کا غم نہ اُٹھائے۔

عیسےٰ بن ہشام نے بیان کیا کہ میں نے اُسے دینار دیدیا اور کہا۔ اس بزرگی کے اُگنے کی جگہ (یعنی تیری جائے پیدائش) کہاں ہے؟ کہا قریش نے مجھے پالا اور اس کی وادیوں میں میرے واسطے بزرگیوں کا بچھونا بچھایا گیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کیا تو ابو الفتح اسکندری نہیں ہے؟ کیا میں نے تجھے عراق میں نہیں دیکھا بازاروں میں گھومتا ہوا، رقعوں سے بھیک مانگتا ہوا؟ تو کہنے لگا ؎

خدا کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جنھوں نے اپنی عمر کو مشتبہ بنا لیا ہے وہ شام کو عرب ہوتے ہیں اور صبح کو عجمی۔

چوتھا مقامہ سجستانیہ

عیسےٰ بن ہشام نے بیان کیا کہ ایک ضرورت نے مجھے سیستان جانے پر آمادہ کیا پس میں اسکے ارادہ پر بیٹھ گیا اور اس کی سواری پر سوار ہوگیا اور خدا سے میں نے بھلائی کی دعا کی اس پختہ ارادہ میں جس کو میں نے اپنے آگے رکھ لیا تھا اور اس دانشمندی اور ہوشیاری میں جس کو میں نے اپنا پیشوا بنا لیا تھا، یہاں تک کہ خدا نے مجھکو وہاں پہنچا دیا۔ (مگر) بلخ کے پھاٹکوں پر میں اُس وقت پہنچا، جب کہ آفتاب غروب کو پہنچ چکا تھا۔ لہذا جہاں میں پہنچا تھا، وہیں رات بسر کرنی پڑی جب صبح کی تلوار سونت لی گئی اور آفتاب کا لشکر نمودار ہوگیا (شعاعیں پھیل گئیں) تو میں مکان تلاش کرنے کے لیے گیا۔ جب میں (گھومتے گھومتے) شہر کے دائرہ (کی طرف) سے مرکز کی جانب پہنچا اور بازار کے ہار سے اس کے درمیانی موتی (چوک) کی جانب پہنچا تو میرے کانوں کو ایک ایسی آواز نے گھیرا جس کیلیے ہر رگ سے ایک مددگار نکلا (یعنی بدن کا ہر ہر رگ و ریشہ اس کی طرف متوجہ اور اُس کی آواز پر لبیک کہنے والا تھا) میں نے بھی اُس کا رخ کیا یہاں تک کہ اس کے پاس جا کھڑا ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی گھوڑے پر سوار (اژدہام کی وجہ سے) اس کا دم گھٹا جاتا ہے۔ میری جانب اپنی گدی (پشت) کر رکھی ہے اور کہہ رہا ہے ؎

جس نے مجھے پہچان لیا پہچان لیا اور جسنے نہیں پہچانا اُسے میں اب اپنی پہچان کرائے دیتا ہوں۔ میں مین کا تازہ پہیلی، زمانہ کا افسانہ، مردوں کا موضوع بحث، پازیب پہننے والی عورتوں کی پہیلی ہوں۔ میرے حالات شہروں اور قلعوں سے پوچھو، پہاڑوں اور ان کی ریگستانی زمینوں سے پوچھو، وادیوں اور ان کے درمیانی حصوں سے پوچھو، دریاؤں اور ان کے چشموں سے پوچھو، گھوڑوں اور اُن کی پشتوں سے پوچھو۔ وہ کون شخص ہے جس نے ان کی فصیلوں پر قبضہ کیا، ان کے رازوں کو معلوم کیا، ان کے راستوں کو چلنے کے قابل بنایا اور اُن کی گھاٹیوں میں گھس گیا۔ دریافت کرو بادشاہوں اور اُن کے خزانوں سے، تالوں اور ان کی کانوں سے، (دشوار) امور اور ان کے باطنی رازوں سے، علوم اور ان کے وطنوں سے، مصیبتوں اور ان کے بند تالوں سے، لڑائیوں اور ان کی دشواریوں سے کہ وہ کون شخص ہے جو ان کے خزانوں کا مالک بن گیا اور تہمت بھی ادا نہ کی؟ اور وہ کون شخص ہے جو ان کی کنجیوں کا مالک بن گیا اور ان کی مصلحتوں کو بھی اس نے پہچان لیا؟ یہ سب کام خدا کی قسم میں نے کیئے ہیں، اور بڑے بڑے مغرور بادشاہوں کے درمیان سفارت کی (اور معاملات طے کرائے ہیں) اور میں نے ہی تاریک حوادث کے پردے کھولے ہیں میں خدا کی قسم ہر موقع پر حاضر ہوا ہوں یہاں تک کہ عشاق کے مقتل میں بھی اور ہر قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہوا یہاں تک کہ (مہ جبینوں کی) چشم بیمار کے مرض میں بھی اور میں نے (سرو قد حسینوں کی) نرم و نازک ٹہنیوں کو جھکایا ہے (۴۰) اور گلگوں رخساروں کے پھول چنے ہیں مگر اس کے باوجود میں کمینی باتوں سے ایسے ہی نفرت کی ہے جیسے شریف طبیعت کمینوں کے چہروں سے اور رسوا کن حرکات سے میں نے ایسے ہی اجتناب کیا ہے جیسے شریف کان بری باتوں سے اور اب جب کہ بڑھاپے کی صبح روشن ہو گئی اور بیری کی عظمت میرے اوپر غالب آگئی تو میں نے قصد کیا کہ زاد راہ تیار کر کے آخرت کو درست کروں تو ..... میں نے اس راستے سے زیادہ راہ راست دکھانیوالا اور کوئی راستہ نہیں دیکھا جس پر کہ میں چل رہا ہوں۔ تم میں سے ہر شخص مجھے گھوڑے پر سوار خبطیوں کی سی باتیں کرتا دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہ تعجب کا بادا ہے نہیں، میں تو بہت سے تعجبات کا باوا ہوں جن کو میں نے بچشم خود دیکھا اور اُن کی مشقتوں کو جھیلا ہے اور میں بڑے بڑے اہم امور کی کان ہوں جن کا میں نے اندازہ کیا ہے اور ان کی مصیبت اٹھائی ہے اور ایسی دشواریوں کا بھائی ہوں جن کو میں نے دشوار پایا اور (حاصل کرنے کے بعد) مفت ضائع کر دیا، گراں خریدا اور سستا بیچ دیا۔ بخدا میں ان کاموں کے لیے لشکروں کیساتھ رہا ہوں اور کھوٹے جھیلے ہیں (یعنی موانعات کا مقابلہ کیا ہے) اور (راتوں کو) اختر شماری کی ہے اور سواریوں کو دبلا کیا ہے۔ اور (ان کاموں کے سلسلہ میں) مجھے بہت سی ناگوار باتیں جھیلنی پڑی ہیں (مگر) اسکے باوجود میں نے منّت مانی ہے کہ میں ان کے منافع کو سلمانوں سے نہ روکوں گا (جو کچھ مجھے

کرنا تھا وہ میں تو کر چکا) اب میرے واسطے ضروری ہے کہ میں اس امانت کا پھندا تمھاری گردنوں میں ڈالدوں اور اپنی یہ دوا تمھارے بازاروں میں پیش کروں، اب جس کو (قیامت کے روز) غلاموں کی جگہ کھڑے ہونیسے (یعنی خدا کی بندگی سے) عار نہ ہو اور کلمۂ توحید سے وہ نفرت نہ کرتا ہو اُسے چاہیئے کہ وہ مجھسے خریدلے اور جس کے باپ دادا شریف ہوں اور پاک پانی سے اُس کی آبیاری کی گئی ہو (یعنی شریف النسب ہو) وہ اس کی حفاظت کرے عیسی بن ہشام کہتا ہو کہ میں اس کے چہرے کی طرف گھوما تاکہ اس کی حقیقت کو سمجھوں (۴۱) ناگاہ وہ تو ہمارا استاد ابو الفتح اسکندری تھا میں نے شتر مرغ (یعنی عام پبلک) کے اس کے سامنے سے بھاگ جانیکا انتظار کیا اسکے بعد میں اس کے سامنے آیا اور کہا کہ کتنی رستم تمھاری اس دوا کو ولاسکتی ہے؟ اس نے کہا تھیلی جس چیز کو چاہو دلاسکتی ہو (یہ سن کر) میں نے اُسے (وہیں) چھوڑ دیا اور خود واپس چلا آیا۔

پانچواں مقامہ

عیسی بن ہشام نے بیان کیا کہ میں نوجوانی کے عہد میں ہر گراہی کے لیئے اپنا کجاوہ باندھ لیتا تھا (تیار ہو جاتا تھا) اور ہر نفس پرستی کیجانب (ہوا وہوس) کے گھوڑے کو ایڑ لگاتا تھا یہاں تک کہ میں نے اپنی عمر کا خوشگوار پانی پی لیا اور زمانہ کا مکمل ترین لباس پہن لیا۔ پس جب میری رات کے پہلو میں دن نکل آیا (کالے بال سفید ہو گئے) اور آخرت کے لیے میں نے دامن سمیٹ لیئے (تیار ہو گیا) تو فریضہ حج ادا کرنے کے لیے میں ایک سدھی ہوئی اونٹنی کی پشت پر سوار ہوا۔ راستہ میں ایک رفیق میرے ساتھ ہو گیا جس کو میں کسی برائی کی بنا پر بُرا نہ سمجھتا تھا۔ جب ہم آپس میں کھل گئے اور ہر ایک نے دوسرے کو اپنے حالات سے آگاہ کر دیا تو قصہ کھلا کہ وہ کوفہ کا رہنے والا اور صوفی مذہب ہو (خیر)۔۔ ہم روانہ ہوئے جب کوفہ پہنچے تو اس کے گھر کا رخ کیا اور اس وقت اس کے گھر میں داخل ہوئے کہ جب دن کے چہرہ پر سبزہ اُگ آیا تھا اور کنارے سیاہ ہو گئے تھے (یعنی تاریکی چھا گئی تھی) جب رات کی پلکیں بند ہو گئیں اور مونچھیں نکل آئیں (یعنی تاریکی چھا گئی اور ایک پہر رات گذر گئی) تو ہمارے دروازہ پر دستک دی گئی۔ ہم نے کہا یہ دروازہ کھٹکھٹانیوالا، رات کو آنیوالا کون ہو؟ اسنے کہا رات کا فرستادہ اور قاصد (گویا رات نے اس کو تمھارے دروازہ پر قاصد بناکر بھیجا ہی) بھوک سے شکست خوردہ اور دھکیلا ہوا (یعنی بھوک نے دھکے دے دے کر تمھارے دروازہ پر بھیجا ہے) ایک شریف انسان ہو جس کو تنگدستی اور تلخ زمانہ کھینچ کر لایا ہو ایک مہمان ہو جس کی آمد نہایت خفیف اور اس کی گم کردہ چیز (جس کا وہ متلاشی ہی) روٹی ہی۔ (۴۲) ایک پناہ گیرندہ ہو جو بھوک اور پھٹے ہوئے

گریبان (کُرتے) کے ظلم پر تم سے مدد چاہتا ہو۔ ایک مسافر ہو جس کے سفر پر آگ جلائی گئی ہو اور کتّے اُس کے پیچھے بھونکے ہیں اور کنکریاں اُس کے پیچھے پھینکی گئی ہیں اور اس کے بعد میدانوں میں جھاڑو دیدی گئی ہے اس کا دُبلا اونٹ تھکا ہوا ہو اور اس کی زندگی مصیبت ہو اُس کے اور اُس کے بچوں کے درمیان بڑے بڑے وسیع جنگل ہیں۔ عیسےٰ ابن ہشام نے بیان کیا کہ میں نے اپنے کیسہ (بٹوے) میں سے تیر کی سی مٹھی بھری اور اس کو دیدی اور اس سے کہا اور مانگ ہم اور دیں گے اس نے کہا عود کی خوشبو عود کی آگ سے زیادہ کسی گرم چیز پر نہیں پیش کی گئی (یعنی جس طرح آگ پر عود مہکتا ہو اسی طرح بخشش پر ایک شریف سائل شکریہ ادا کرتا ہو) اور احسان کے وفد کا شکر کے قاصد سے بڑھ کر کسی نے استقبال نہیں کیا (یعنی محسن کے احسان کا استقبال پیام شکر ہی سے ہو سکتا ہو) لہذا جس کے پاس زائد ہو اُسے چاہیے کہ وہ ہمدردی کرے کیونکہ احسان خدا اور بندوں کے ہاں بیکار نہیں جاتا (یعنی خدا اجر دیتا ہو بندے شکریہ ادا کرتے ہیں) باقی رہا تو سو اللہ تیری تمام امیدوں کو پورا کرے اور ہمیشہ اونچا ہاتھ (دینے والا) تیرا کرے۔ عیسےٰ بن ہشام نے بیان کیا کہ ہم نے دروازہ کھول دیا۔ دیکھا تو ہمارا شیخ ابو الفتح اسکندری تھا۔ میں نے کہا اے ابو الفتح تنگدستی نے تیرا کس قدر بُرا حال کر دیا اور خاصکر تیری یہ حالت (کہ دیکھی بھی نہیں جاتی) تو ہنس پڑا اور کہنے لگا سے

میری یہ مانگنے کی حالت جس میں میں ہوں تجھے دھوکہ میں نہ ڈالدے۔

(کیونکہ) میں ایسی دولت و ثروت میں ہوں جس کی وجہ سے ستی کی چادریں پھاڑی جاتی ہیں

(انسان پھولا نہیں سماتا)۔

میں اگر چاہوں تو سونے اور چاندی کی چھتیں بنوالوں۔

میں کبھی نبطی ہوتا ہوں اور کبھی عربی۔

چھٹا مقامہ

(۴۳) عیسےٰ بن ہشام نے بیان کیا کہ ابو الفتح اسکندری کے ایسے ایسے مقالات اور مضامین میرے پاس پہنچتے تھے کہ جنھیں نفرت کرنیوالی طبیعتیں بھی کان لگا کر سنیں اور چڑیاں بھی (انھیں سنکر) پھڑپھڑانے لگیں اور اس کے ایسے ایسے اشعار مجھ سے بیان کیے جاتے تھے جو (انتہائی لطافت کیوجہ سے) اجزا ر درح کیساتھ ملجائیں اور باریکی کی وجہ سے کاہنوں کے اوہام سے بھی پوشیدہ رہیں (اس لیے) میں خدا سے دعا کیا کرتا تھا۔ کہ وہ زندہ رہے۔ تا اینکہ مجھے اس کی ملاقات میسر آئے۔ اور میں اس کے سائل کی خوبی کے باوجود اُس کی پشت ہمتی پر ہمیشہ تعجب کیا کرتا تھا۔ (کہ نظم و نثر پر اس قدر قدرت رکھنے والا شخص اور اس قدر خستہ حال

اور پست ہمت) اور زمانہ نے اس کے بہتر حالات کو سوانحات کے ذریعہ اس سے رد کر دیا تھا۔ (الغرض) حالات کی یہی رفتار رہی یہاں تک کہ مجھے حمص جانے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے اس کی حرص کی دھار کو ایسے اشخاص کی معیت میں تیز کر دیا (اور چلنے کے لیے آمادہ ہو گیا) جو رات کے تاروں کی طرح (راتوں سے واقف) تھے اور گھوڑوں کی پشتوں کے ندے تھے (یعنی ہمیشہ گھوڑوں پر سوار رہنے والے) (تھے)۔ ہم راستہ کی مسافت کو لاٹنے لگے اور اسکی بخکنی شروع کر دی (یعنی بہت تیزی کے ساتھ راستہ طے کرنا شروع کر دیا) (الغرض) ہم اسی طرح اپنے عمدہ گھوڑوں کے ذریعہ برابر ٹیلوں کے کوہان کاٹتے رہے (یعنی اونچے اونچے ٹیلے اور پہاڑیاں طے کرتے رہے) یہاں تک کہ وہ گھوڑے لاٹھیوں کی طرح دُبلے اور کمانوں کی طرح خمیدہ ہو گئے (حسن اتفاق سے) ہمیں ایک وادی ایک ایسے پہاڑ کے دامن میں نظر آئی جس کے (لمبی لمبی شاخوں والے) جھاؤ اور آلار کے درخت ان دوشیزہ لڑکیوں کے مانند تھے جنھوں نے اپنے بالوں کی لٹیں پھیلا رکھی ہوں اور گیسو بکھرے ہوئے ہوں۔ دوپہر (کی گرمی) ہمیں اس وادی کی جانب لے گئی اور ہم (گھوڑوں کی پشتوں سے) اتر پڑے تاکہ نشیبی میدان میں جائیں اور قیلولہ کریں (وہاں پہنچکر) ہم نے گھوڑوں کو رسیوں سے باندھ دیا اور بے خبر ہو کے سو گئے (ہم ایسے بے خبر سو رہے تھے کہ) ہمیں صرف گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازوں نے ڈرایا (چنانچہ) میں نے اپنے گھوڑے کو جس نے اپنے کان کھڑے کر رکھے تھے اور کسی چیز پر ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا، (۴۴) دیکھا کہ وہ رسّی کے بل ہونٹوں سے کاٹ رہا ہے اور کھروں سے زمین کی سطح کھود رہا ہے۔ پھر ایک دم سارے گھوڑے بدک پڑے، پیشاب ڈال دیئے، رسیاں کاٹ دیں۔ اور پہاڑوں کی راہ لی اور ہم میں سے ہر شخص اپنے ہتھیاروں کی جانب لپکا۔ ناگاہ درندہ (شیر) موت کے کپڑے میں اپنی کچھار سے نکلا، کھال میں پھولا ہوا، دانت نکالے ہوئے نگاہیں غرور سے بھری ہوئیں، ناک نخوت سے پر، سینہ ایسا جس سے دل کبھی نہیں ٹلتا (انتہا درجہ بہادر) خوف اس کے پاس نہیں پھٹکتا ہم نے کہا مصیبت آن پہنچی اور حادثہ بہت اہم ہے۔ پس جلد باز رفیقوں میں سے ایک ایسا نوجوان اس کی طرف بڑھا جو ؎

گندمی رنگ، عرب کے خاندان سے ہے ڈول کو رسّی کی گرہ تک بھرتا ہے۔

ایسے دل کے ساتھ جسے تقدیر نے دھکے دیئے تھے، ایسی تلوار کے ساتھ جو سراپا جوہر تھی۔ (مگر) شیر کا خوف اس کے اوپر غالب آ چکا تھا پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی یہاں تک کہ مونھ کے بل زمین پر گر پڑا اور شیر اس کے گرنے کی جگہ سے دوسرے ساتھیوں کی جانب تجاوز کر گیا اور (اب) موت نے اس کے بھائی کو اسیطرح دعوت دی جیسے پہلے اسے دی تھی چنانچہ وہ شیر کی جانب چلا مگر خوف نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے تھے لہذا وہ بھی زمین پر آ رہا اور شیر نے اسکے سینے کو بچھا لیا (سینہ پر چڑھ بیٹھا) اور قریب تھا کہ پھاڑ

والے) لیکن میں نے اپنا عمامہ اس پر پھینک مارا اور اس کے مونھ کو اس میں الجھا دیا۔ یہاں تک کہ میں نے اسکی جان بچالی اتنے میں (وہ پہلا) نوجوان کھڑا ہوا اور اس نے شیر کے پیٹ میں چھری بھونکدی۔ آخر (یہ) دوسرا نوجوان خوف سے اور شیر پیٹ میں چھری بھونکنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ اب ہم گھوڑوں کے پیچھے چلے۔ جو رہ گئے تھے اُنھیں ہم نے چمکارا (اور پکڑلیا) اور جو بھاگ گئے تھے اُنھیں چھوڑ دیا۔ اسکے بعد ہم اپنے رفیق کے پاس آئے کہ اُس کی تجہیز و تکفین کریں سہ

(۴۵) جب ہم نے اپنے ساتھی کے اوپر مٹی ڈالدی تو رونے لگے گریہ کو نسا رونے کا وقت تھا۔

اور (اس کے بعد) ہم صحرا کی جانب لوٹے اور میدان میں قدم رکھا اور چل پڑے یہاں تک کہ جب مشکیزے دُبلے ہوگئے (یعنی خالی ہوگئے) اور توشہ بھی ختم ہوگیا یا قریب تھا کہ ختم ہو جائے اور اب ہم نہ آگے جاسکتے تھے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے تھے اور دو ہلاک کرنیوالی چیزوں کا یعنی بھوک و پیاس سے ہمیں ڈر ہوا۔ کہ (اتنے میں) ایک سوار (دور سے) نظر آیا ہم فوراً اس کی طرف مڑگئے اور اسی کی جانب رُخ کردیا جب وہ ہمارے پاس پہنچا تو فوراً گھوڑے کی پشت سے اُتر پڑا ہونٹوں سے زمین پر بوسوں کے نقش ڈالتا تھا اور (بطور زیادہ) دونوں ہاتھوں سے سر پر خاک اُڑاتا تھا، اور تمام جماعت میں سے صرف میری جانب رُخ کیا اور میری رکاب چومی اور میری حفاظت میں پناہ لی۔ میں نے جو دیکھا تو اس کا چہرا بجلیوں والے بادل کی طرح چمک رہا ہے اور قدو قامت ایسا ہو کہ جب نظر اوپر چڑھتی ہو تو فوراً نیچے آتی ہو (یعنی نظر نہیں ٹھہرتی) رخسارہ پر سبزہ آغاز ہمیں پھوٹ رہا ہیں، بازو بھرے ہوئے ہیں، قد (شاداب و) سیراب شاخ ہے نسل ترکی لباس شاہی۔ تو ہم نے کہا تیرا باپ مرے تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا میں ایک بادشاہ کا غلام ہوں، کسی وجہ سے اس نے میرے قتل کا ارادہ کیا۔ لہذا جس طرف میرا مونھ اٹھا چلا آیا یہاں تک کہ (میں اس جگہ آگیا) جہاں تم مجھے دیکھتے ہو۔ حالات کے گواہوں نے اس کے بیان کی سچائی پر گواہی دی پھر اس نے کہا میں آج سے تیرا غلام ہوں، میرا مال تیرا مال ہو" میں نے کہا تیرے لیے (ہماری وجہ سے) خوشخبری ہو اور تیری ذات سے (ہمارے لیے) خوشخبری ہو، تیرے سفر نے تجھے ایک وسیع صحن اور خوشگوار زندگی کی جانب پہنچا دیا۔ ساتھیوں نے مجھے مبارکباد دی۔ (اس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ) وہ دیکھتا تھا تو اس کی نظریں ہمیں گھائل کیئے دیتی تھیں وہ بولتا تھا تو اس کے الفاظ ہمیں ہلاک کیے دیتے تھے۔ پھر اس نے کہا میرے سردارو! پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ ہے اور تم بے آب و گیاہ صحرا میں سفر کر رہے ہو لہذا وہاں سے پانی لے لو" لہذا جس طرف اُس نے بتلایا اسی طرف ہم نے اپنے گھوڑوں کی باگیں موڑدیں اور وہاں ایسی حالت میں ہم پہنچے کہ دوپہر کی گرمی) نے بدنوں کو پگھلا دیا تھا جھینگر لکڑیوں پر چڑھ گئے تھے تو اس نے کہا (اے میرے سردارو!) تم اس وسیع

سایہ میں، اس شیریں چشمہ پر قیلولہ نہیں کرتے ؟ ہم نے کہا تجھے اختیار ہے۔ بس وہ گھوڑے کی پشت سے اتر پڑا اور اپنی پیٹی کھول دی اور کرتا اُتار دیا اور سوائے ایک بنیان کے اور کوئی کپڑا اس کے بدن پر نہ رہا وہ بھی اُس کے بدن کی چغلخوری کر رہا تھا (حسن کی شعاعیں جھلک رہی تھیں۔ اُس کے حسن کا یہ عالم دیکھ کر) ہمیں اس میں شک نہ رہا کہ (جنّت کے) غلمانوں سے اُس کی لڑائی ہوئی ہے۔ اس لیے یہ جنت سے چلا آیا ہے۔ اور رضوان (داروغہ جنّت کے ہاتھ سے) بھاگ آیا ہے۔ پھر وہ زینوں کی طرف بڑھا اور ان کو (گھوڑوں کی پشتوں سے) اُتار دیا اور گھوڑوں کی جانب لپکا اور انھیں گھاس ڈال دی اور زمیں کی جانب رُخ کیا اور اس پر پانی چھڑک دیا۔ ہماری عقلیں اس (کی پھرتی اور خدمتگزاری) کے بارے میں حیران تھیں اور نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اُس سے کہا اے نوجوان! تو خدمتگزاری میں کس قدر خوش سلیقہ ہے اور مجموعی حیثیت سے کس قدر اچھا ہے، بدنصیبی ہے اس کی جس سے تو جُدا ہوا۔ اور خوش نصیبی ہے اُس کی جس کا تو رفیق بن گیا۔ کس طرح خدا کی نعمت کا (کہ اُس نے تجھ جیسا غلام عطا کیا) شکریہ ادا کیا جا سکتا ہے آگے کہا یہ تو کچھ بھی نہیں میری باتیں جو تم آئندہ دیکھو گے وہ اس سے بہت زائد ہیں میرا خدمت میں چست وچالاک ہونا اور بحیثیت مجموعی بہتر ہونا کیا تمہارے لیے اس قدر باعثِ تعجب ہے؟ اُس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب تم مجھے رفقاء سفر کے ساتھ دیکھو گے (لو) میں تمھیں اپنی مہارت کا ایک کرشمہ دکھلاتا ہوں تاکہ تم مجھ پر اور بھی فریفتہ ہو جاؤ ہم نے کہا لاؤ دکھلاؤ۔ اُس نے ہم میں سے ایک شخص کی کمان لی اور اُس کا چلّا چڑھایا اور ایک تیر شست میں رکھا اور آسمان کی جانب پھینکا اور اس کے بعد دوسرا اور پہلے کو دوسرے سے چیر دیا اس کے بعد کہا اچھا لو ایک دوسری قسم کا (کمال) دکھلاتا ہوں (یہ کہا) اور میرے ترکش کی جانب لپکا اور لے لیا اور گھوڑے کی جانب بڑھا اور اُس پر چڑھ بیٹھا اور ہم میں سے ایک شخص کے تیر مارا اور سینہ میں اُتار دیا دوسرا مارا اور اُسے پشت کے پار اڑا دیا۔ میں نے کہا تیرا بُرا ہو یہ کیا کرتا ہے؟ کہا چپ! کمینے! خدا کی قسم یا تو تم میں سے ہر شخص اپنے دوسرے ساتھی کے ہاتھ باندھ دے ورنہ حلق میں تھوک کا پھندا ڈال دوں گا (یعنی تھوک بھی حلق سے نہ اُترنے دونگا) اب ہماری سمجھ کام نہیں کرتی تھی کہ ہم کیا کریں۔ ہمارے گھوڑے بندھے ہوئے ہیں زینیں اُتری ہوئی ہیں، ہمارے اسلحہ دور ہیں، ہم پیادہ ہیں وہ سوار ہے، کمان اُس کے ہاتھوں میں ہے پشتوں کو اس سے توڑ رہا ہے اور سینوں اور شکموں کو پھاڑ رہا ہے۔ جب ہم نے اُس کی جانب سے اصرار دیکھا تو تسمے لیے اور ایک نے دوسرے کو باندھ دیا اور میں اکیلا رہ گیا۔ مجھے کوئی باندھنے والا نہ ملا۔ تو اُس نے کہا (صرف) کھال کے ساتھ کپڑوں سے نکل (یعنی تمام کپڑے اُتار دے) میں نکل آیا (اُتار دیئے) پھر وہ گھوڑے سے اُترا اور یکے بعد دیگرے ہم میں سے ہر شخص کے چپت لگاتا تھا اور کپڑے اُتارتا تھا (حتیٰ کہ)

میرے پاس پہنچا میرے پیروں میں دو نئے موزے تھے اُس نے کہا انھیں بھی اُتار تیری ماں مرے! میں نے کہا یہ موزہ میں نے گیلا ہی پہنا ہے اس کا اُتارنا میرے بس کا نہیں اس نے کہا میں اُتارے دیتا ہوں پھر وہ تو میرے پاس آیا کہ موزہ اُتارے اور میں نے اپنا ہاتھ ایک چھُری کی جانب بڑھایا جو میرے موزہ میں (لگی ہوئی) تھی وہ تو اپنے شغل میں منہمک تھا اور میں نے (موقعہ پاکر) چھُری اُس کے پیٹ میں اُتار دی اور کمر سے باہر نکال دی پس اُس نے صرف اتنا کیا کہ مونھ کھول دیا اور میں نے اس کے مونھ میں پتھر ٹھونس دیا اور (اس کا کام تمام کرکے) دوستوں کی جانب بڑھا اور ان کے ہاتھ کھولے اور دونوں مقتولوں کا سامان ہم نے بانٹ لیا۔ اور ساتھی کو ہم نے ایسی حالت میں پایا کہ اُس نے جان دیدی تھی اور قہر کا ہو گیا تھا ان کاموں سے فارغ ہونیکے بعد ہم راستہ کی جانب بڑھے اور پانچ روز میں حمص پہنچے۔ جب ہم (پھرتے پھراتے) اس کے چوک بازار میں پہنچے (۴۸) تو ہم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ ایک جھولی اور لٹھیا ہاتھ میں لیئے ایک لڑکے اور ایک لڑکی کے پیچھے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے ؎

اللہ رحم کرے اس شخص پر جو میری زنبیل میں اپنی بزرگیوں (بخششوں) کو بھر دے۔
اللہ رحم کرے اُس شخص پر جس نے سعید و فاطمہ پر رحم کیا۔
بیشک وہ تمھارا خادم ہے اور بلا ریب وہ تمھاری خادمہ ہے۔

عیسیٰ بن ہشام نے بیان کیا کہ میں نے دل میں کہا یہ شخص تو وہی اسکندری ہے جس کا حال میں نے سُنا تھا۔ میں نے جو دریافت کیا تو وہ وہی نکلا۔ میں دوڑ کر اُس کی طرف گیا اور میں نے کہا تو اپنے حکم کا حاکم بن جا (جو تیرا جی چاہے مانگ) اس نے کہا ایک درہم، میں نے کہا ؎

تیرے لیے ایک درہم ضرب ایک درہم ہیں جبتک میرا سانس ساتھ دے (یعنی ایک سانس میں)
حساب کر اور مانگ تاکہ تیرا مدعا پورا کر دوں۔

اور میں نے کہا ایک درہم ضرب دو۲ میں، تین۳ میں، چار۴ میں، پانچ۵ میں یہاں تک کہ بیس۲۰ تک پہنچا۔ میں نے کہا کتنے ہوئے؟ روٹیاں۔ میں نے بیس۲۰ روٹیوں کا اس کے لیے حکم کر دیا اور اپنے دل میں کہا بدنصیبی کے ہوتے کوئی امداد اور محرومی کے ہوتے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ (ورنہ تو ۱۲۰ درہم مانگتا)

ساتواں مقامہ غیلانیہ

عیسےٰ بن ہشام نے بیان کیا کہ اس اثنا میں کہ ہم جرجان میں اپنی ایک مجلس میں (بیٹھے) باتیں کر رہے تھے اور اس روز حافظہ اور روایت کے اعتبار سے عرب کا یکتائے روزگار شخص (۴۹) عصمۃ بن بدر فزاری

ہمارے ساتھ تھا۔ گفتگو نے ہمیں ان لوگوں کے تذکرہ تک پہنچا دیا (یعنی ہماری گفتگو اُن لوگوں کے متعلق ہونے لگی) جنھوں[علہ] نے اپنے دشمنوں سے بردباری کی وجہ سے اعراض کیا اور جنھوں نے اپنے دشمنوں کو حقیر سمجھ کر اُن سے پہلوتہی کی۔ یہاں تک کہ ہم نے غلتان عبدی اور بعیث کا اور جریر و فرزدق کے اُن کو حقیر سمجھنے کا ذکر کیا تو عصمہ نے کہا میں تم سے اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہوں۔ کسی دوسرے شخص سے نقل نہیں کرتا۔ اس اثنا میں کہ میں ایک عمدہ اونٹنی پر سوار، ایک کوئل (خالی) اونٹنی ساتھ لیے بلاد تمیم میں سفر کر رہا تھا ایک شخص جو بہت جھاگ والے سفید رنگ اونٹ پر سوار تھا سامنے سے نمودار ہوا اور وہ بالکل میرے سامنے آگیا یہاں تک کہ جب صورت سے صورت ٹکرائی (یعنی آمنا سامنا ہوا) تو اُس نے بلند آواز سے السلام علیکم کہا میں نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ بلند آواز، اسلام کے طریق پر سلام کرنے والا کون ہو؟ اُس نے کہا میں غیلان بن عقبہ ہوں، میں نے کہا مرحبا اُس شخص کے لیے جس کا حسب بزرگ اور نسب مشہور اور کلام مقبول عام ہو۔ تو اُس نے کہا تیری وادی وسیع ہو، تیری مجلس معزز ہو، تو کون ہو؟ میں نے کہا عصمہ بن بدر فزاری۔ کہا خدا زندہ رکھے، تو بہت اچھا دوست، ساتھی اور رفیق سفر ہے (سلام دعا کے بعد) ہم چل پڑے۔ جب دوپہر ہوگئی تو اُس نے کہا اے عصمہ! کیا ہم قیلولہ نہ کریں؟ کیونکہ دھوپ نے ہمیں پگھلا دیا۔ میں نے کہا تجھے اختیار ہو۔ پس ہم ایسے آلاء کے درختوں کی جانب آئے جو ایسی لمبی پھیلی ہوئی شاخوں کی وجہ سے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ) گویا بنی سلول کی دوشیزہ لڑکیاں ہیں جنھوں نے اپنی لٹیں اپنے سامنے کے جھاؤ کے درختوں کی جانب پھیلا رکھی ہیں۔ ہم نے کجاوے اتار دیے اور کچھ تھوڑا سا کھانا کھایا کیونکہ ذوالرمہ[سکہ] بہت کم خوراک تھا۔ اور اس کے بعد نماز پڑھی اور ہم میں سے ہر شخص ایک جھاؤ کے درخت کے نیچے قیلولہ کے ارادہ سے آگیا۔ (۵۰) ذوالرمہ لیٹ گیا (اور سوگیا) میں نے چاہا کہ میں بھی ذوالرمہ کی طرح کروں۔ چنانچہ میں نے اپنی کمر زمین سے لگائی۔ مگر نیند میری آنکھوں پر قابو نہیں پاتی تھی (اسی حالت میں) میں نے پاس ہی ایک بڑے کوہان والی اونٹنی کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑی ہو (یا جس کی کمر کھلی ہوئی ہو) اور اس کا پالان اُترا ہوا ہو اور ایک آدمی کھڑا ہوا اس کی حفاظت کر رہا ہو۔ گویا وہ نوکر یا غلام ہو۔ میں اُن دونوں سے غافل ہوگیا کہ مجھے ایسی بات کے سوال کرنے سے کیا مطلب جو میرے کارآمد نہ ہو۔ ذوالرمہ ذرا دیر سویا پھر بیدار ہوگیا۔ یہ واقعہ اُن دنوں کا ہو جبکہ غیلان کی اس مَی سے (جس کا ذکر اشعار میں ہو) ہجو چل رہی تھی پس غیلان نے آواز بلند کی اور یہ اشعار پڑھنے شروع کیے ؎

کیا یہ میّہ کے ہی مٹے ہوئے کھنڈرات ہیں جن کا خاک میں ملا دینے والی آندھیوں نے پیچھا نہیں چھوڑا

اُنمیں سے اب سرپیٹے کھونٹے اور ایک ایسے چولھے کے سوا جسمیں کوئی آگ لینے والا نہیں اور

علہ جدید ایڈیشن میں یہ فقرا نہیں ہو ۱۲ سکہ غیلان بن عقبہ کا لقب ہو ۱۲

کچھ باقی نہیں رہا۔
اور ایک حوض (باقی رہ گیا ہی) جو اِدھر اُدھر سے ڈھے گیا ہو اور ایک بزمگاہ جو ٹوٹی ہوئی برباد پڑی ہی۔
میں نے اسے اسوقت دیکھا تھا جبکہ یہاں اس کے رہنے والے تھے مَیّہ تھی، محبت تھی اور محبّت کرنے والے تھے۔
(مَیّہ مجھسے اس طرح بھاگتی تھی کہ) گویا میں مَیّہ کے بجائے ایک ایسے ہرن کو بھگا رہا ہوں جس کے سامنے صبح نمودار ہوگی (ہرن صبح ہوتے ہی چوکڑیاں بھرنے لگتے ہیں)
جب میں اس کے پاس آتا تھا تو مجھے ایک ترشرو آدمی روکتا تھا جو اس کا نگران اور محافظ ہوتا تھا
امرؤالقیس کے پاس عنقریب ایک ایسا قصیدہ آئیگا جسے سفین مسافروں کو گا گا کر سنائیں گے۔
کیا تجھکو نہیں معلوم کہ امرؤالقیس کو ایک لاعلاج بیماری چمٹ گئی ہی۔
یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہجو تکلیف نہیں دیتی اور کہیں خشک پتھر بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں
یہی وجہ ہی کہ نہ کوئی بلندی کو حاصل کرنے میں ان کا شتر سوار ہی اور نہ میدان جنگ میں ان کا کوئی شہسوار۔
یہ لوگ ملامت کی حوضوں میں اس طرح لتھڑے ہوئے ہیں جس طرح کھالیں رنگنے والا کچی کھالوں کو (رنگنے کے وقت) روندتا ہی۔
(۵۱) جب لوگ بزرگیوں کی جانب نظریں اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو اُس وقت اُن کی نگاہیں جھکی ہوئی اور راہ دکھنے والی ہوتی ہیں۔
شرفا ان کی دامادی کو پسند نہیں کرتے اسی لیے اُنکی غیر شادی شدہ لڑکیاں کواری بیٹھی ہیں۔

جب اس شعر پر پہنچا تو سونے والا بیدار ہوگیا اور سننے لگا آنکھیں ملنے لگا اور کہا۔ کیا ذلیل ذوالرمّہ ایسے اشعار سے مجھے سونے سے روکتا ہی جو نہ درست ہیں اور نہ مشہور۔ میں نے کہا اے ذوالرمّہ کون ہے اُس نے کہا فرزدق اور ذوالرمّہ گرم ہوگیا اور کہا ؎
لیکن کمینے مجاشع (قوم فرزدق) تو خدا کرے کہ ان کے اُگنے کی جگہ (جائے پیدائش یعنی وطن) کو کوئی گرجنے والا بادل سیراب نہ کرے۔
ان کو شرفا کے کارناموں سے عقال منع کر دیگا اور حابس روک دیگا۔

میں نے کہا اب تو فرزدق برافروختہ ہو جائے گا اور بھڑک اُٹھے گا اور ذوالرمّہ اور اس کے قبیلہ کی سب کی ہجو کرے گا۔ مگر خدا کی قسم فرزدق نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ "کمینے ذوالرمیہ تیرا برا ہو تو مجھ جیسے شخص کے سامنے چُرایا ہوا کلام لے کر آتا ہے" اور پھر سو گیا گویا اُس نے کچھ سُنا ہی نہیں۔ ذوالرمہ وہاں سے روانہ ہوا اور میں بھی اُس کے ساتھ چلا مگر میں برابر اس میں شکستہ دلی کے آثار دیکھتا رہا یہاں تک کہ ہم الگ الگ ہوگئے۔

آٹھواں مقامہ آذربیجانیہ

عیسیٰ بن ہشام نے بیان کیا کہ جب دولت نے اپنے فاضل دامن کا پٹکا میری (کمر سے) باندھ دیا (یعنی حد سے زیادہ بڑھ چڑھی) تو مجھ پر تہمت لگائی گئی کہ یا میں نے (کسی) کا مال چھین لیا ہے یا کوئی خزانہ پا لیا ہے۔ پس رات نے مجھے (بھاگنے پر) آمادہ کیا اور گھوڑے مجھے لے چلے اور میں اپنے بھاگنے کے دوران میں ایسے ایسے راستوں سے گزرا جن کو نہ (کسی راہ رو کی) رفتار نے پامال کیا تھا اور نہ پرندوں نے ہی اس طرف راستہ پایا تھا یہاں تک کہ میں نے خوف کی زمین طے کر لی (۵۲) اور اس کی حدود سے نکل گیا اور امن کی چراگاہ میں پہنچ گیا اور اس کی خنکی اطمانیت میں نے پالی۔ اور میں آذربیجان ایسی حالت میں پہنچا کہ اونٹوں کے پیر گھس گئے تھے اور منزلیں اُن کو کھا گئی تھیں (یعنی قطع منازل نے انھیں فنا کر دیا تھا) جب میں وہاں پہنچا تو ؎

تو ہم اس ارادے سے اُترے کہ تین دن تک قیام رہے گا مگر وہ ہمیں اچھا معلوم ہوا یہاں تک کہ ہم نے
وہاں ایک ماہ تک قیام کیا۔

اس اثنا میں کہ ایک روز میں آذربیجان کے بازار میں (گھوم رہا) تھا ناگاہ ایک شخص نمودار ہوا ایک چھاگل کاندھے پر ڈال رکھی تھی، ایک لاٹھی کا سہارا لے رکھا تھا، ایک (قاضیوں کی سی) بڑی ٹوپی (سر پر) اوڑھ رکھی تھی، ایک سندھی تہبند (واغطون کی) چادر کی طرح اوڑھ رکھا تھا (کاندھے پر ڈال رکھا تھا) پس اس شخص نے آواز بلند کی اور کہا "اے اللہ! اے ہر چیز کو پہلی بار پیدا کرنے والے اور دوبارہ لوٹانے والے، ہڈیوں کو زندگی دینے والے اور (پھر) فنا کرنے والے، آفتاب کو پیدا کرنے والے اور گردش دینے والے، صبح کو نمودار کرنے والے اور روشن کرنے والے نعمتوں کو پورا پورا ہمارے پاس پہنچانے والے، اور آسمان کو ہم پر گرنے سے روکنے والے، آدمیوں کو جوڑا جوڑا (نر و مادہ) پیدا کرنے والے، آفتاب کو چراغ، آسمان کو چھت، زمین کو بچھونا بنانے والے، رات کو سکون (آرام کا وقت) اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنانے والے، (بارش سے) بوجھل بادلوں کو اُٹھانے والے، بجلیوں کو عذاب کے طور پر نازل کرنے والے، تاروں کے اوپر اور زمین کے نیچے کی چیزوں کو جاننے والے، میں تجھ سے دُعا کرتا ہوں کہ تمام رسولوں کے سردار احمد اور اُن کی اولاد پر درود (رحمت نازل کرنے) کی اور یہ کہ تو میری امداد کر اس مسافرت پر کہ میں اس کی باگ موڑوں ؏

؏ (یعنی وطن کو واپس جاؤں)

اور تنگدستی پر کہیں اس کے سایہ سے باہر نکل جاؤں، اور یہ کہ تو ایک ایسے شخص کے ہاتھوں پر جس کو فطرت[۱] نے پیدا کیا ہو (نیک سرشت ہو) اور پاکئی (نسب) نے اُسے روشن کیا ہو (یعنی پاک نسل ہو) اور دین متین کے ساتھ خوش نصیب ہوا ہو، (۵۳) حق صریح (کے قبول کرنے) میں اندھا نہ ہوا ہو، میرے لیے ایک ایسی سواری (اونٹنی) آسان کر دے (دلا دے) جو اس راستے کو پورا کر دے اور زاد راہ جو مجھے اور میرے ساتھی کو کفایت کرے۔

عیسے بن ہشام نے کہا میرے دل نے کہا کہ یہ شخص تو ہمارے سکندری سے بھی زیادہ فصیح ہوا (پھر) ہم جو ذرا متوجہ ہوا تو ناگاہ وہ تو ہمارا ابو الفتح ہی تھا۔ میں نے کہا اے ابو الفتح اس سرزمین تک بھی تیرا فریب پہنچ گیا، اور اس گھاٹی میں بھی تیرا انسکار آگیا۔ کہنے لگا۔ ؎

میں شہروں میں گھومنے والا اور اطراف عالم کو طے کرنے والا ہوں۔

میں زمانے کی پھرکی ہوں اور راستوں کو آباد کرنے والا ہوں۔

خدا تجھے ہدایت دے تو مجھے مانگنے سے منع نہ کر اور تو بھی چکھ لے

نواں مقامہ جرجانیہ

عیسے بن ہشام نے بیان کیا کہ اس اثنا میں کہ ہم جرجان میں اپنے ایک مجمع میں باتیں کر رہے تھے اور ہم میں وہ ہی لوگ تھے جو ہماری جماعت سے تھے، اچانک ہمارے پاس ایک شخص آکھڑا ہوا جو نہ بہت لمبا تڑنگا تھا اور نہ بہت پستہ قامت گٹّا، گھنی داڑھی والا، چھوٹے چھوٹے بچے پرانی چادریں اوڑھے اُس کے پیچھے تھے۔ دعائے سلامتی اور اسلامی سلام سے اُس نے گفتگو شروع کی۔ اُس نے بھی ہمارے ساتھ اچھا طریقہ برتا۔ ہم نے بھی اس کو بہت کچھ دیا۔ اس نے کہا کہ حضرات میں ایک شخص ہوں اسکندریہ کا رہنے والا جو بنو امیہؓ کی حدود سلطنت میں سے ہے، قبیلہ سلیم نے مجھے پرورش کیا اور قبیلہ عبس نے مجھے مرحبا کہا، تمام اطراف عالم کو طے کر چکا اور عراق کو چھان ڈالا، شہر اور دیہات اور (۵۴) ربیعہ و مضر کے علاقوں میں گھوم چکا۔ جہاں رہا ذلیل ہو کر نہیں رہا۔ لہٰذا میرے بوسیدہ اور پیوند لگے کپڑے جو تم دیکھ رہے ہو مجھکو تمھاری نظروں میں حقیر نہ کر دیں۔ اس لیے کہ ہم بھی خدا کی قسم (لوگوں کی حالت کو) درست کرنے والے اور اُن کی اصلاح کرنے والے تھے۔ صبح کے وقت ہم اونٹ بخشتے تھے اور شام کے وقت بکریاں ؎

ہمارے ہاں ایسی ایسی مجلسیں تھیں جن میں آنیوالوں کے چہرے خوبصورت تھے اور ایسی ایسی محفلیں تھیں

---

[۱] یا جس کو دینداری نے پیدا کیا ہو۔ یعنی فطری دیندار ہو ۱۲

[۲] موجودہ ایڈیشن میں بجائے دوع صفار فی اطمار ہے اس کا ترجمہ اس طرح کیجیے "صفار کا (سا) خوف اس پر طاری تھا پرانی چادروں میں" صفار ایک مرض ہے جس میں پیٹ میں کیڑے ہو جاتے ہیں رنگ زرد پڑ جاتا ہے ۱۲

جن میں قول اور فعل (دونوں) آتے تھے (خالی باتیں بنانیوالے نہ تھے بلکہ کام بھی کرتے تھے)
دولت مندوں کے ذمہ جو اُن کے ہاں آئے اُس کی روزی فرض تھی اور تنگدستوں کے پاس
بھی سخاوت اور فیاضی پائی جاتی تھی۔

پھر اے لوگو! زمانہ نے ان میں سے صرف میرے لیے ڈھال کی پشت کو پلٹ دیا (یعنی حالات میں انقلاب کر دیا) پس میں نے نیند کے عوض بیداری لے لی اور وطن میں رہنے کی بجائے سفر اسباب سفر مجھے برابر ایک دوسرے طرف پھینکتے تھے۔ اور ایک جنگل دوسرے جنگل کو مجھے بطور تحفہ دیتا تھا۔ زمانے کے مصائب نے مجھے نعمت و راحت سے، گوند کی طرح اکھاڑ پھینکا۔ اب میں ہتھیلی سے زیادہ صاف اور بچے کے رخسارے سے زیادہ عُریاں صبح و شام بسر کرتا ہوں۔ اب میں اُجڑے ہوئے صحن والا اور خالی برتنوں والا ہو گیا۔ اب میرے لیے بجز سفروں کی شفقت جھیلنے اور اونٹنی کا دہانہ ہمیشہ تھامے رہنے کے اور کوئی کام نہیں۔ فقر و احتیاج کی مصیبت جھیلتا ہوں اور چٹیل میدان سے اُمیدیں لگا رہا ہوں میرا بچھونا ڈھیلے ہیں اور میرا تکیہ پتھر ہے
کبھی آمدیں کبھی راس عین ہیں اور کبھی میّا فارقین ہیں۔

کسی رات شام میں پھر اہواز میں میرا کجاوہ ہوتا ہے اور کسی رات عراق میں مسافرت مجھے ہمیشہ ہر جگہ بھٹکتی رہی یہاں تک کہ میں نے بلا دِ حجر کو طے کیا (۵۵) اور شہر ہمدان نے مجھے اُتارا اور وہاں کے قبائل نے مجھے قبول کیا اور دوستوں نے میری طرف گردنیں دراز کیں لیکن میں نے اُن میں سے اُس شخص کا رُخ کیا جو سب سے بڑے پیالے والا (سخی) اور سب سے زیادہ بد خلقی سے دور (خوش خلق) تھا
اس کی مہمانی کی آگ[1] اونچے مقامات پر اُس وقت جلائی جاتی ہے جبکہ (لوگوں کی آگوں پر) پردے ڈال دئے جاتے تھے
چنانچہ اُس نے میرے واسطے آرام گاہ تیار کی اور خواب گاہ درست کی اگر کسی وقت وہ سستی کرتا تو ایک ایسا لڑکا (میری خدمت کے لیے) دوڑتا پھرتا جو (پھرتی میں) تلوار تھا یا (حُسن و جمال کے اعتبار سے) صاف مطلع سے نکلا ہوا پہلی رات کا چاند تھا۔ اُس نے مجھ پر ایسے ایسے احسانات کیے کہ اُن سے میرا حوصلہ تنگ اور میرا سینہ وسیع ہو گیا۔ سب سے پہلے گھر کا فرش اور سب سے آخر ایک ہزار دینار (آخر کار) مجھے وہاں سے صرف نعمتوں نے بھگایا جبکہ وہ پے در پے ہونے لگیں اور احسان کی بارشوں نے جبکہ وہ مسلسل برسنے لگیں۔ پس میں ایک بدکے ہوئے جانور کی طرح ہمدان سے نکلا اور ایک وحشی کی طرح وہاں سے بھاگا۔ راستوں کو طے کرتا تھا اور ہلاکتوں کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا، ملکوں کی مصیبتیں اُٹھاتا تھا، مزید برآں یہ کہ میں اپنے گھر کی کھریتیں اور ایک ایسے بچے کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں

[1] عرب کے سخیوں کا دستور تھا کہ رات کے وقت اونچے ٹیلوں پر آگ جلاتے تھے تاکہ بھولے بھٹکے مسافر آئیں اور ٹھہریں۔ قحط کے زمانے میں بہت سے دولتمندوں کے ہاں یہ آگیں افلاس و تنگدستی کی وجہ سے بجھ جاتی ہیں۔

گویا وہ چاندی کا ایک قیمتی کنگن ہو جو قبیلہ کی دو شیزہ لڑکیوں کے کھیلنے کے میدان میں ٹوٹ کر گر گیا ہو اب حاجت کی ہوا اور افلاس کی باد سحر مجھے تمھارے پاس لائی ہے۔ لہذا خدا تم پر رحم کرے۔ تم ایک برباد شدہ لاغر و ناتواں انسان پر رحم کرو جسے حاجت نے تباہ کر دیا اور فاقہ کشی نے مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ ۵۰ مسافر ہے زمینوں کو طے کرنیوالا ہے، صحراؤں نے اسے ادھر ادھر پھینکا ہے لہذا وہ پراگندہ سر غبار آلود ہے خدا تم پر بھلائی کا راستہ کھولے اور برائی کا راستہ نہ کھولے (۵۶) عیسے بن ہشام نے بیان کیا کہ خدا کی قسم (ہمارے) دل اس کے لیے پسیج گئے آنکھیں اس کے کلام کی رقت آمیزی کی وجہ سے آنسوؤں سے ڈبڈبانے لگیں اور جو اس وقت ہمیں میسر ہوا وہ اسے دیدیا اور وہ ہمارا شکریہ ادا کرتا ہوا چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا تا کہ وہ تو ہمارا استاد ابو الفتح اسکندری تھا۔

دسواں مقامہ اصفہانیہ

عیسے بن ہشام نے بیان کیا کہ میں اصفہان میں تمھارے جانیکا ارادہ رکھتا تھا۔ اثنا میں سایہ کی طرح (ذرا دیر کے لیے) وہاں اتر اہر گھڑی قافلہ کا امیدوار تھا اور ہر صبح سواری کا منتظر، جب میری توقع پورا ہونے کا وقت آگیا (یعنی قافلہ آگیا) تو جمعہ کی نماز کی اذان ہوئی جس کو میں نے سن لیا (اس لیے) لبیک کہنے (اور نماز کے لیے جانے) کا فرض مجھ پر عائد ہوگیا۔ بس میں اپنے ساتھیوں سے کھسک گیا مگر اعجیب گومگو میں تھا) ادھر جماعت کے پالینے کو غنیمت سمجھتا تھا اور ادھر قافلے کے چھوٹ جانیسے ڈرتا تھا۔ لیکن میں نے نماز کی برکتوں سے بیابان کی مصیبت پر اعانت حاصل کی اور سب سے اگلی صف میں پہنچا اور نماز کے لیے سیدھا کھڑا ہوگیا امام محراب میں پہنچ چکا تھا اس نے مدّ اور ہمزہ کے اعتبار سے امام حمزہ کی قرأت کے مطابق سورۂ فاتحہ پڑھی اور میرے (اوپر) قافلے کے چھوٹنے اور سواری سے دور ہونے کا بے چین کر دینے والا غم سوار تھا۔ فاتحہ کے بعد اس نے سورۂ واقعہ پڑھی اور میں صبر کی آگ میں جل رہا تھا اور سختی برداشت کر رہا تھا اور غصہ کے انگاروں پر بھن رہا تھا۔ اور لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ مگر اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ خاموش رہتا اور صبر کرتا یا بولتا اور قبر میں جاتا (۵۷) کیونکہ میں قوم کی سختی اس موقعہ پر کہ سلام سے پہلے نماز توڑ دوں، خوب اچھی طرح جانتا تھا۔

لہذا میں ضرورت کے بیروں پر سورۃ کے ختم ہونے تک اسی حالت میں کھڑا رہا قافلہ سے میں نا امید ہو چکا تھا اور کجاوہ اور سواری سے مایوس۔ پھر اس نے خاص قسم کے عاجزی اور عجیب قسم کی فروتنی کیساتھ جو اس سے قبل میں نے نہیں دیکھی اپنی کمان (قد) کو رکوع کے لیے جھکا دیا۔ پھر اس نے (رکوع) سے سر اور ہاتھ اٹھائے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا اور کھڑا ہوگیا یہاں تک کہ مجھے اس میں شک نہیں رہا کہ وہ سو گیا۔

پھر اُس نے اپنا دایاں ہاتھ زمین پر ٹیکا اور پیشانی کو بل وندھا ہوا پھر پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا اور ادھر میں نے بھاگنے کا موقع تلاش کرنے کے لیے اپنا سر اُٹھایا کہ صفوں کے درمیان کوئی جگہ نظر نہیں آتی لہذا میں پھر سجدے میں چلا گیا یہاں تک کہ اُس نے بیٹھنے کے لیے تکبیر کہی اور دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ سورۂ فاتحہ اور قارعہ ایسے (آہستہ آہستہ پڑھی) کہ قیامت کی عمر (مدت) کو گھیر لیا اور جماعت کی روحیں نکال لیں جب دونوں رکعتوں سے فارغ ہو گیا اور اپنے دونوں جبڑوں سے تشہد (پڑھنے) کیلیے تیار ہوا اور اپنی گردن کی دونوں رگوں سے سلام[1] التحیات (پڑھنے) کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے کہا کہ اللہ نے خلاصی آسان کر دی اور کشایش قریب ہے تو فوراً ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا جو کوئی تم میں سے صحابہ اور جماعت کو دوست رکھتا ہو (یعنی اہل سُنّت والجماعت ہو) وہ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اپنے کان عاریت دیدے (اور میری طرف متوجہ ہو جائے) لہذا میں اپنی آبرو بچانے کے لیے اپنی جگہ چپک گیا اس کے بعد اُس نے کہا کہ مجھے سزاوار ہے کہ میں کوئی ناحق بات نہ کہوں اور بجز سچ کے اور کوئی گواہی نہ دوں۔ میں تمھارے پاس تمھارے نبی کی بشارت لیکر آیا ہوں مگر میں وہ بشارت اس وقت سناؤں گا جبکہ اللہ پاک اس مسجد کو ہر ایسے کمینے آدمی سے پاک کر دے جو آپ کی نبوت کا انکار کرتا ہو" (۵۸)

عیسے بن ہشام کہتا ہو کہ اب تو اُس نے مجھے تسموں سے باندھ دیا اور سیاہ رسیوں سے جکڑ دیا۔ پھر کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جیسے آفتاب بادلوں کے نیچے اور ماہ کامل چودھویں رات کو، آپ چلتے ہیں اور تارے (صحابہ) آپ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں آپ دامن کھینچتے ہیں اور فرشتے اُسے اُٹھاتے ہیں۔ پھر حضور نے مجھے ایک دُعا بتلائی اور وصیت کی کہ یہ دُعا میں آپ کی اُمت کو بتلا دوں میں نے اس کو ان ورقوں پر خلوق[2] اور مسک[3] کے ساتھ اور مشک و زعفران کے ساتھ لکھ لیا ہو جو کوئی مجھسے ہدیہ کے طور پر مانگے گا۔ میں اُسے ویسے ہی ہبہ کر دوں گا اور جو کوئی کاغذ کی قیمت دیگا لے لونگا۔ عیسی بن ہشام کہتا ہو کہ اتنے درہم اس پر برسے کہ وہ حیران رہ گیا۔ جب (دعا بیچ کر) نکلا تو میں اس کی شکار کرنے کی مہارت اور کمائی کے حیلہ پر تعجب کرتا ہوا اُس کے پیچھے پیچھے چلا اور میں نے اُس سے اس کے حالات دریافت کرنیکا ارادہ کیا مگر رک گیا۔ گفتگو کا ارادہ کیا مگر خاموش رہ گیا۔ میں اس کی بے شرمی میں فصاحت اور مانگنے میں خوش اسلوبی، اور تدبیروں سے لوگوں کو باندھنے اور مال کو ان کے وسائل سے لینے پر غور کرنے لگا۔ پھر جو دیکھتا ہوں تو ناگاہ وہ تو ابو الفتح اسکندری تھا میں نے اُس سے کہا یہ چال کیسے تیرے خیال میں آئی تو ہنس پڑا اور کہنے لگا۔

لوگ گدھے ہیں تو ایک ایک کرکے انھیں ہنکائے جا اور انہیں ظاہر ہو اور اُنسے بڑھ جا۔ یہاں تک کہ جب اُن سے جو چاہتا ہو وہ حاصل کرے تو مر جا۔

ختم شد

[1] یعنی سلام تک زور لگانے سے ۱۲
[2] خلوق زعفران سے مرکب ایک خوشبو ہو ۱۲
[3] مسک ایک سیاہ رنگ خوشبو ہی ۱۲

ابوالمظفر یوسف بن شادی، ملقب بہ ملک ناصر صلاح الدین، بادشاہ ممالک مصر و شام و عراق و یمن

مقدمہ

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ صلاح الدین کے آبا و اجداد "دُوِین" کے رہنے والے ہیں۔ دُوِین صوبہ آذربیجان کے آخری حدود میں اَرّان اور گرجستان کی جانب (۶۶) ایک بستی ہے۔ اور یہ کہ یہ لوگ رَوَادِیّہ کُرد ہیں، رَوَادِیّہ ہَذَانِیّہ کی ایک شاخ ہے، یہ کُردوں کا ایک بہت بڑا خاندان ہے۔

باشندگان دُوِین میں سے ایک باخبر شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ دروازۂ دُوِین پر ایک بستی ہے جسے اَجْدَانَقَان کہتے ہیں۔ یہاں کے تمام باشندے رَوَادِی کُرد ہیں۔ صلاح الدین کے باپ ایُّوب کی جائے پیدائش یہی ہے۔ شادی (صلاح الدین کا دادا) اپنے دونوں بچوں اسد الدین شیرکوہ اور نجم الدین ایوب کو وہاں سے بغداد لے گیا اور وہاں سے آکر تکریت میں سکونت اختیار کی، یہیں شادی کا انتقال ہوا، شہر میں اس کی قبر پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔

ان کے نسب کے بارے میں میں نے بہت کچھ تلاش و جستجو کی مگر مجھے کوئی شخص بھی ایسا نہ ملا جس نے شادی کے بعد کسی دادا کا ذکر کیا ہو۔ یہاں تک کہ شیرکوہ اور ایوب کے نام کے بہت سے اوقاف اور جاگیروں کی دستاویزیں بھی میری نظر سے گذریں مگر اُن پر بھی شیرکوہ بن شادی اور ایوب بن شادی کے سوا اور کوئی نام نہ تھا۔ (۶۷) ان کے خاندان کے بعض بزرگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ شادی مروان کا بیٹا ہے۔ چنانچہ ایوب اور شیرکوہ کے حالات میں میں نے اُس کا ذکر بھی کیا ہے۔

قاضی ابن عدیم حلبی کی "تاریخ حلب" میں میں نے دیکھا کہ ان کے نسب کا اختلاف بیان کرنے کے بعد اُنھوں نے بیان کیا کہ معز بن سیف الاسلام بن ایوب بادشاہ یمن نے خاندان بنو اُمیّہ سے اپنے نسب کے اتصال کا اور (اسی بنا پر) خلافت کا دعویٰ کیا تھا (مگر) اپنے اُستاذ قاضی بہاء الدین المعروف بہ ابن شداد سے (۶۸) میں نے سُنا وہ سلطان صلاح الدین سے نقل کرتے تھے کہ اُس نے اِس (دعویٰ نسب) سے انکار کیا اور کہا کہ اس کی کچھ اصل نہیں۔

میں کہتا ہوں! ہمارے اُستاذ حافظ عز الدین ابو الحسین علی بن محمد المعروف بہ "ابن الاثیر" مصنف تاریخ کبیر (کامل ابن اثیر) نے اپنی مختصر تاریخ میں، (۶۹) جو خاندان اتابکیہ کے شاہانِ موصل کے حالات میں لکھی ہے ایک فصل اسد الدین شیرکوہ اور ممالک مصر کی جانب اس کے سفر سے متعلق، قائم کی ہے، اُس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ اسد الدین شیرکوہ اور نجم الدین ایوب (پسر کلاں) شادی کے بیٹے ہیں، شہر دُوِین کے باشندے ہیں، رَوَادِی

کردوں کی نسل سے ہیں، یہ دونوں عراق میں آئے اور مجاہد الدین بہروز بن عبد اللہ غیاثی پولس افسر عراق کی خدمت میں رہنے لگے۔"

میں کہتا ہوں یہ مجاہد الدین ایک خوشرو رومی غلام تھا سلطان مسعود بن غیاث الدین محمد بن ملک شاہ سلجوقی کی جانب سے عراق کی پولس افسری پر مقرر ہوا۔ بڑے بڑے اہم کاموں کو انجام دینے اور ملک کو آباد کرنے میں بہت بلند حوصلہ تھا جب کسی مقصد کی تکمیل میں کوئی دشواری پیش آتی تو اس کیلئے دینے لینے اور خرچ کرنے میں بہت فراخ حوصلہ اور جد وجہد وجانفشانی میں بہت مستقل مزاج تھا۔ تکریت اس کے پاس جاگیر کے طور پر تھا۔

سلطان مسعود مذکور کے والد کا بھی ملازم رہا تھا۔ اس نے بغداد میں ایک بہت بڑی سرائے بنوائی تھی اور اس کے لیے ایک بہت بڑی جائداد وقف کی تھی ۲۳ رجب ۵۴۰ھ بروز بدھ وفات پائی۔

(۷۰) شیخ ابن اثیر فرماتے ہیں۔ مجاہد الدین نے نجم الدین کے اندر عقل وفہم صحت رائے اور حسن اخلاق کے جوہر موجود پائے۔ جس زمانے میں تکریت اس کے پاس تھا تو اس نے نجم الدین کو تکریت کا "وزدار بنا دیا" (وزدار محافظ قلعہ، حاکم) چنانچہ نجم الدین تکریت کی جانب روانہ ہو گیا، اسد الدین شیرکوہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔

جب عماد الدین زنگی نے عراق میں قراجا کے ہاتھ سے شکست کھائی (میں کہتا ہوں! یہ ایک مشہور واقعہ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسترشد باللہ کے عہد خلافت میں جب مسعود بن ملک شاہ سلجوقی اور علاء الدین زنگی بادشاہ موصل نے بغداد کا محاصرہ کیا تو مسترشد نے قراجا ساقی، بادشاہ فارس وخوزستان کے پاس، جسکا نام برس تھا امداد طلب کرنے کے لیئے ایک قاصد بھیجا۔ قراجا آیا اور ان دونوں کے لشکروں پر یورش کی یہ دونوں اس کے مقابلہ میں پسپا ہوئے اور شکست کھائی تاریخ سلطنت سلجوقیہ میں لکھا ہے کہ یہ جنگ تکریت میں جمعرات کے روز ماہ مذکور کی ۱۲ تاریخ ۵۲۶ھ میں ہوئی مذکورہ سابق اسامہ بن منقذ اپنی ایک کتاب میں جس کے اندر اس نے اپنے عہد کے بادشاہوں اور ملکوں کا حال لکھا ہے بیان کرتا ہے کہ وہ خود تاریخ مذکورہ (؟) اس جنگ میں شریک تھا اور دو مقام پر اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک ازبل کے حالات میں اور ایک تکریت کے بیان میں۔

اب ہم مقصد کی جانب آتے ہیں۔ تو عماد الدین تکریت پہنچا۔ نجم الدین ایوب نے اس کی امداد کی اور اس کے لیے کشتیاں مہیا کیں چنانچہ زنگی اور اس کے ساتھیوں نے (۷۱) وہیں سے دجلہ کو عبور کیا۔ نجم الدین نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ان کے لیے رسد کا انتظام کیا (مجاہد الدین) بہروز کو جب اس کی خبر پہنچی تو اس کے پاس قاصد بھیجا اور اس سے باز پرس کی اور کہا کہ تو نے ہمارے دشمن پر قابو پایا اور پھر اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اس کو چھوڑ دیا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے بعد (ایک مرتبہ) اسد الدین شیرکوہ نے تکریت میں ایک آدمی کا باہمی جھگڑے کی بنا پر قتل کر دیا (یہ بھی مجاہد الدین کو ناگوار گذرا) لہذا مجاہد الدین نے ان دونوں کے پاس پیام بھیجا اور

تکریت سے ان کو نکالدیا یہ دونوں عماد الدین زنگی کے پاس پہنچے (عماد الدین اسوقت موصل کا بادشاہ تھا)۔ عماد الدین نے ان کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا اور بہت معقول جاگیر دی اور دونوں اس کے لشکر میں داخل ہوگئے جب عماد الدین نے بعلبک (۲ ے) فتح کیا تو نجم الدین کو وہاں کا دزدار بنادیا۔ جب زنگی قتل کردیا گیا تو دمشق کے لشکر نے ان کا محاصرہ کیا (میں کہتا ہوں:۔ دمشق کا بادشاہ اس زمانہ میں مجیر الدین ابن رتکین محمد بن بوری بن اتابک ظہیر الدین طغتگین تھا۔ عماد الدین زنگی کے بیٹے محمود نے دمشق میں اسی کا محاصرہ کیا تھا اور دمشق اس کے قبضہ سے لے لیا تھا۔ شیخ ابن اثیر فرماتے ہیں) تو نجم الدین نے زنگی کے بیٹے سیف الدین غازی بادشاہ موصل کے پاس جو اپنے باپ عماد الدین کے بعد موصل کا بادشاہ بن گیا تھا، حالات کی اطلاع دینے کے لیئے قاصد بھیجا اور کمک طلب کی تاکہ والی دمشق کی مدافعت کرے سیف الدین اس وقت اپنی سلطنت کے ابتدائی دور سے گذر رہا تھا اور نواح کے ہمسایہ حکمرانوں کی اصلاح میں منہمک تھا لہٰذا نجم الدین ایوب کی امداد نہ کرسکا اور حصار کی وجہ سے باشندگان بعلبک پر زندگی دوبھر ہوگئی جب نجم الدین ایوب نے ان حالات کا مطالعہ کیا اور اسے خطرہ ہوا کہ کہیں قلعہ جبراً نہ لے لیا جائے تو اس نے محاصرین کے پاس قلعہ سپرد کرنے کے متعلق پیام بھیجا اور چند جاگیریں جنکی تصریح کردی تھی (اس کے عوض) اپنے لیے طلب کیں نجم الدین کی درخواست قبول کرلی گئی اور (۳ ے) بادشاہ دمشق نے اس (وعدہ کے ایفا) پر قسم کھالی۔ چنانچہ نجم الدین نے قلعہ سپرد کردیا اور بادشاہ دمشق نے جن جاگیروں کے دینے اور عزت افزائی کی قسم کھائی تھی وہ پوری کی اور اس کے یہاں وہ بڑے امرا میں شمار ہونے لگا۔

اسد الدین شیرکوہ برادر نجم الدین نور الدین زنگی کی خدمت میں اس کے باپ کے قتل کے بعد باریاب ہوا (میں کہتا ہوں:۔ یہ نور الدین محمود عماد الدین زنگی کا بیٹا اور حلب کا بادشاہ ہے) اسکے باپ کی زندگی میں بھی نجم الدین اسکی خدمت میں رہتا تھا اسی لیے اس نے (باپ کے قتل کے بعد) اس کو اپنا مقرب بنالیا اور جاگیریں بخشیں۔ نور الدین لڑائیوں کے اندر نجم الدین کی بہادری اور دلیری کے ایسے ایسے جوہر دیکھتا تھا کہ دوسرے اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہتے تھے لہٰذا حمص، رحبہ وغیرہ مقامات نجم الدین کے سپرد ہوگئے اور نور الدین نے اسے اپنی افواج کا سپہ سالار اعظم بنادیا۔ میں کہتا ہوں:۔ اس کے بعد استاذ ابن اثیر اسد الدین کے سفر ممالک مصر اور ان حالات کے بیان کرنے میں مصروف ہوگئے ہیں جو وہاں پیش آئے یہ مقام ان حالات کے ذکر کے لیے موزوں نہیں ہے ہم یہاں صرف صلاح الدین کی سیرت سے متعلق حالات آغاز کار سے لیکر انتہا تک۔ انشاء اللہ بیان کریں گے اس سلسلہ میں اُن کی سلطنت کے مختلف حالات اور کارگزاری کا تذکرہ بھی آجائے گا۔

باب اوّل صلاح الدین مصر میں ۵۳۲ھ سے ۵۶۹ھ تک

پیدائش، ان کی پیدائش اور آغاز جوانی ۵۳۲ھ سے ۵۵۹ھ تک

(۷۴) میں کہتا ہوں! مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ صلاح الدین ۵۳۲ھ میں قلعہ تکریت کے اندر پیدا ہوا جب کہ اس کے باپ اور چچا وہاں سکونت پذیر تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ صلاح الدین کی پیدائش کے بعد یہ لوگ وہاں بہت تھوڑی مدت رہے اس لیے کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب نجم الدین اور اسد الدین تکریت سے روانہ ہوئے (جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے) تو عماد الدین زنگی کے پاس پہنچے اس نے ان کی بہت عزت کی اور ان کی جانب خاص طور پر التفات کیا۔ اس کے بعد عماد الدین زنگی نے دمشق کے محاصرہ کا قصد کیا لیکن دمشق فتح نہیں ہوا تو بعلبک کی جانب واپس آ گیا چند ماہ تک بعلبک کا محاصرہ جاری رکھا اور ۱۴ صفر ۵۳۴ھ میں اس پر قبضہ کر لیا جیسا کہ مذکورۂ الصدر اسامہ بن منقذ نے اپنی اس کتاب میں تذکرہ کیا ہے جس میں ملکوں اور بادشاہوں کے حالات بیان کیے ہیں مشہور مورخ ابن قلانسی دمشقی نے (۷۵) اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ عماد الدین نے جمعرات کے روز ۲۰ ذی الحجہ ۵۳۳ھ میں بعلبک کا محاصرہ کیا پھر ۵۳۴ھ کے شروع میں عماد الدین کے بعلبک اور اس کے قلعہ کے انتظام اور شکستہ چیزوں کی مرمت سے فارغ ہونے کی خبر آنے کا تذکرہ کیا ہے خدا بہتر جانتا ہے اس صورت میں یہ لوگ یا تو اسی ۵۳۲ھ کے آخیر میں تکریت سے روانہ ہوئے جس میں صلاح الدین پیدا ہوا یا ۵۳۳ھ میں کیونکہ انھوں نے موصل میں عماد الدین کے پاس قیام کیا پھر جب اس نے علی الترتیب دمشق اور بعلبک کا محاصرہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا تو نجم الدین کو بعلبک میں مقرر کیا اور یہ واقعہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ۵۳۴ھ کا ہے لہٰذا تکریت سے ان کا سفر قریب قریب اسی مذکورہ زمانہ میں ہونا متعین ہے واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں! پھر (مجھے) ان کے خاندان کے ایک معتبر شخص نے بتایا جبکہ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم تکریت سے کب روانہ ہوئے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی خاندان کے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ (۷۶) ہم تکریت سے اسی رات کو چلے جس میں صلاح الدین پیدا ہوا۔ اسی لیے لوگوں نے صلاح الدین کو منحوس سمجھا اور فال بد لی تو بعض لوگوں نے کہا تمھیں کیا معلوم شاید اسی میں بھلائی ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا واللہ اعلم۔

صلاح الدین اپنے باپ کی نگرانی میں پرورش پاتا رہا یہاں تک کہ جوان ہو گیا اور جب مذکورۂ بالا تاریخ یعنی ۵۴۹ھ میں عماد الدین زنگی کا بیٹا نور الدین محمود دمشق پر حکمراں ہوا تو نجم الدین ایوب اور اس کے بیٹے صلاح الدین نے اپنے آپ کو اس کی خدمت سے وابستہ کر دیا۔ خوش نصیبی کے علائم و نشانات اس کی پیشانی پر نمایاں تھے

اور نسلی شرافت اُسے روز بروز بڑھا رہی تھی اور نورالدین خاص طور پر اُس کا خیال رکھتا تھا اور دوسروں پر اُس کو ترجیح دیتا تھا۔ صلاح الدین نے بھلائی کے طریقے، اچھے کاموں کا کرنا اور جہاد کے سلسلہ میں سعی اور جد و جہد نورالدین ہی سے سیکھی یہاں تک کہ اپنے چچا شیرکوہ کے ہمراہ ممالک مصر کی جانب جانے کے لیے تیار رہا۔ چنانچہ عنقریب ہم اس کی تشریح کریں گے

مصر کی فتح ۵۵۹ سے ۵۶۴ تک

مصر کی ایک تاریخ میں میری نظر سے گذرا کہ شاور، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، (۷) مظفر و منصور بادشاہ ضرغام ابن عامر بن سوار ملقب بہ فارس المسلمین لخمی منذری کے مقابلہ سے (شکست کھا کر) بھاگا جبکہ وہ تمام ممالک مصر پر غالب آگیا تھا اور شاور کو بپا کر کے اس کے بجائے منصب وزارت پر قبضہ کر لیا تھا کیونکہ اہل مصر کا طریقہ یہی تھا کہ جو غالب آئے وہی وزیر مصر (بنے)۔ شاور کے بڑے بیٹے کو بھی اس نے قتل کر دیا تھا۔ شاور ملک عادل نورالدین ابوالقاسم محمود بن زنگی سے امداد طلب کرنے کے لیے شام کی طرف گیا۔ یہ واقعات رمضان ۵۵۸ھ میں پیش آئے اور ۲۳ ذی القعدہ ۵۵۸ھ کو شاور دمشق پہنچا۔ نورالدین نے امیر اسدالدین شیرکوہ بن شادی کو اس کی فوج کے ایک حصہ کے ساتھ شاور کے ہمراہ بھیج دیا۔ صلاح الدین بھی اس فوج میں اپنے چچا کے ہمرکاب تھا۔ گو وہ اپنے اس سفر میں ان کے ہمراہ جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ (۸) اس فوج کے بھیجنے سے نورالدین کے دو مقصد تھے ایک تو شاور کا حق ادا کرنا کہ وہ اس کے پاس آیا اور ایک فریادی کی حیثیت سے اُس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دوسرے یہ کہ وہ مصر کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے پاس خبریں پہنچ رہی تھیں کہ مصر کی حالت فوجی قوت کے لحاظ سے بہت کمزور ہے اور ملکی حالت بھی بہت زیادہ پراگندہ اور درہم برہم ہے۔ لہذا وہ ان خبروں کی تحقیق کرنا چاہتا تھا۔ نورالدین شیرکوہ پر اس کی بہادری، تجربہ کاری اور دیانتداری کی وجہ سے بہت زیادہ بھروسہ کرتا تھا لہذا اسی کو اس اہم کام کے لیے آمادہ کیا۔ شیرکوہ نے اپنے بھتیجے صلاح الدین کو اس فوج کا سپہ سالار بنایا شاور کو اس کے ہمراہ بھیجا۔ جمادی الاولیٰ ۵۵۹ھ میں یہ لوگ دمشق سے روانہ ہوئے اور حدود مصر میں داخل ہوتے ہی اسی سال ماہ رجب میں مصر پر قبضہ کر لیا۔

جب اسدالدین شیرکوہ اور شاور حدود مصر میں داخل ہو کر ملک پر قابض ہو گئے اور ضرغام کو قتل کر دیا تو شاور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا منصب وزارت پر پھر قابض ہو گیا، اس کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں اور ملکی حالات درست اور سازگار ہو گئے تو اس نے اسدالدین شیرکوہ کے ساتھ غداری کی اور اُس کے مقابلہ کے لیے فرنگیوں سے مدد طلب کی اور قلعہ بلبیس میں اس کا محاصرہ کر لیا (۹) اسدالدین شیرکوہ بلاد مصر کا اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا ملکی حالات سے گہری واقفیت بہم پہنچا لی تھی اور اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ جنگجو بہادروں سے خالی ملک ہے محض خیالات اور مکر و فریب سے یہاں تمام کام چلتے ہیں لہذا ملک مصر پر قبضہ کرنے کی طمع دامنگیر ہوئی اور وہاں سے

۲۴ ذی الحجہ ۵۵۹ھ کو شام واپس آگیا۔ اسدالدین نے مصر سے واپس آکر شام میں قیام کیا مدت تک دوبارہ مصر پہنچنے کی تدابیر کے متعلق غور و فکر کرتا رہا اور سلطنت مصر کے منصوبے دل ہی دل میں باندھتا رہا اور ۵۶۲ھ تک نورالدین سے اس کی تدابیر اور طریق کار پر گفتگو کرتا رہا۔ شاور کو اسدالدین کی اس گفتگو اور بلاد مصر کی طمع کی خبر پہنچی تو اسے خطرہ ہوا اور اس کو یقین ہوگیا کہ اسدالدین ضرور بلاد مصر پر چڑھائی کرے گا۔ لہذا اس نے عیسائی حکومتوں سے گفت و شنید شروع کی اور یہ طے پایا کہ وہ مصر آئیں اور شاور ان کو ملک پر مکمل قبضہ کرادے تاکہ وہ دشمنوں کے استیصال پر اس کی امداد کریں ادھر نورالدین اور اسدالدین کو شاور اور عیسائیوں کی اس سازباز اور باہمی سمجھوتے کی خبر پہنچی تو ان کو خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عیسائی قومیں ملک مصر پر اور اسکے ذریعہ سے تمام ممالک شام و عراق پر قبضہ کرلیں لہذا اسدالدین تیار ہوا اور نورالدین نے اس کے ہمراہ فوجیں روانہ کیں صلاح الدین اس مرتبہ بھی اپنے چچا اسدالدین کے ہمرکاب تھا ربیع الاول ۵۶۲ھ کو یہ لوگ شام سے روانہ ہوئے ادھر انھوں نے حدود مصر میں قدم رکھا اور ادھر عیسائی مصر میں پہنچے (۸۰) شیرکوہ کے مقابلہ پر شاور اور تمام مصری اور عیسائی متفق ہوکر اتر آئے بہت سی لڑائیاں ہوئیں بڑے بڑے سخت معرکے ہوئے (اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ) عیسائی فوجیں بھی ملک مصر سے دست بردار ہوگئیں اور اسدالدین بھی شام واپس آگیا۔ عیسائیوں کی واپسی کا سبب یہ ہوا کہ نورالدین نے اس طرف عیسائی ممالک کی جانب فوجیں روانہ کردیں اور اسی سال ماہ رجب میں منیطرہ ان سے لے لیا۔ عیسائیوں کو اس کی خبر پہنچی تو انھیں اپنے ملک کا خطرہ ہوا لہذا واپس آگئے اور اسدالدین کے شام آنیکی وجہ وہ ضعف اور کمزوری تھی جو عیسائیوں اور مصریوں کی متواتر لڑائیوں کی وجہ سے اسلامی افواج میں پیدا ہوگئی تھی اور وہ سختیاں اور خطرات تھے جو انھوں نے اس صلیبی جنگ میں مشاہدہ اور برداشت کئے مگر شیرکوہ اس وقت واپس ہوا جب عیسائیوں سے اس بات پر معاہدہ کرلیا کہ ان کی فوجیں حدود مصر سے واپس چلی جائینگی۔ شیرکوہ سال کے باقی حصہ شام میں مقیم رہا۔ اب فتح مصر کی بڑھتی ہوئی حرص کے ساتھ عیسائیوں کے قبضہ کا بڑھتا ہوا خوف اور ملگیا کیونکہ یہ اسے معلوم تھا کہ اب عیسائی مصر سے ایسے ہی واقف ہوگئے ہیں جیسے وہ واقف ہوا اور ایسا ہی سمجھ گئے ہیں جیسے اس نے سمجھا ہے۔

لہذا سخت اضطراب کے عالم میں اس نے شام میں قیام کیا اس کا دل برابر بےچین تھا اور تقدیر الٰہی اسے ایک ایسی چیز کی جانب لیجا رہی تھی جو دوسرے کے لیئے مقدر تھی اور اس کو اس کا پتہ بھی نہ تھا شیرکوہ کی واپسی شام کی جانب ماہ ذی القعدہ سال مذکور میں ہوئی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۱۸ شوال سنہ مذکور کو واپس آیا۔ میں نے اپنے بعض مسودات میں اپنے قلم سے لکھا ہوا دیکھا مگر مجھے یاد نہیں کہ میں نے کہاں سے نقل کیا (۸۱) جب اسدالدین پر ممالک مصر کی حرص غالب آئی تو ۵۶۲ھ میں اس طرف روانہ ہوا اور وادی غزلان

کی راہ سے گیا۔ اور آطفیح کے پاس جا کر نکلا اسی مقام پر اشمونین کے پاس جنگ بابین ہوئی اور صلاح الدین اسکندریہ کی جانب چلا گیا اور وہاں پناہ لی اور جمادی الثانیہ ۵۶۲ھ میں شاور نے صلاح الدین کا محاصرہ کیا۔ پھر صعید گیا۔ اسدالدین بلبیس واپس آیا اور مصریوں سے صلح مکمل ہوئی اور اسی کی بنا پر صلاح الدین کو مصر بھیج دیا اور باقی سب لوگ شام واپس چلے گئے۔

پھر تیسری مرتبہ اسدالدین شیرکوہ مصر آیا۔ ہمارے شیخ ابن شداد نے بیان کیا کہ اس کا سبب یہ ہوا کہ عیسائیوں نے اپنی تمام پیادہ اور سوار فوجیں اکٹھی کیں اور اس عہد و پیمان کو جو اسدالدین اور مصریوں سے طے ہوا تھا توڑ کر اور ملک کی لالچ میں اندھے ہو کر دیار مصر کے ارادہ سے روانہ ہو گئے۔ جب نورالدین اور اسدالدین کو
(۸۲) اس کی خبر پہنچی تو ان دونوں سے بھی صبر نہ ہو سکا سوائے اس کے کہ نہایت تیزی کے ساتھ دونوں بلاد مصر کی جانب متوجہ ہو گئے۔ نورالدین تو مال و دولت اور فوجوں سے کیونکہ عیسائیوں کے حملہ کے خوف کی وجہ سے خود سفر کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہوا نیز علی بن بلکتکیں کی وفات کی وجہ سے اس کی نظریں موصل پر پڑ رہی تھیں (میں کہتا ہوں! اس کا نام زین الدین تھا یہ مظفرالدین کوکبوری شاہ اربل کا باپ تھا) ذی الحجہ ۵۶۳ھ میں علی بن بکتکین کی وفات ہوئی تھی اور جو قلعے اس کے قبضہ میں تھے وہ قطب الدین اتابک کو سپرد کر دیئے تھے بجز اربل کے (۸۳) کہ یہ اسے اتابک زنگی سے ملا تھا۔

باقی رہا اسدالدین سو وہ اپنے جان و مال بھائیوں رشتہ داروں اور فوجوں کے ساتھ مصر کی جانب روانہ ہو گیا سلطان صلاح الدین نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میں اس جنگ کی شرکت کو سب سے زیادہ ناگوار محسوس کرتا تھا اور چچا کے ہمراہ میں اپنے اختیار سے نہیں گیا اللہ پاک کے اس ارشاد کے یہی معنے ہیں "بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناگوار سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو"

شاور نے اسی پہلے قاعدہ کے مطابق جب عیسائیوں کے مصر پر حملہ کرنے کی خبر سنی تو اسدالدین شیرکوہ کے پاس امداد اور اعانت طلب کرنے کے لیے آدمی بھیجا لہذا اسدالدین فوراً روانہ ہو گیا اور ربیع الاول ۵۶۴ھ میں مصر پہنچ گیا۔ جب عیسائیوں کو شیرکوہ اور مصریوں کے باہمی اتحاد کے ساتھ اس کے مصر پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی الٹے پیروں واپس آ گئے۔ شیرکوہ نے مصر میں قیام کیا۔ شاور وقتاً فوقتاً اس کے پاس آتا جاتا تھا۔ شاور نے شیرکوہ اور اس کے ہمراہیوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تمام اخراجات جنگ کا خسارہ ادا کریگا۔ مگر اس نے کچھ نہیں پہنچایا شیرکوہ کے پنجے بلاد مصر میں گڑ چکے تھے اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ عیسائی جب موقعہ پائیں گے ملک پر قبضہ کر لیں گے اور یہ کہ شاور کبھی اس کے ساتھ کھیل کرتا ہے اور کبھی عیسائیوں کے ساتھ اور باشندگان مصر اپنی مشہور بدعت میں مبتلا ہیں اسدالدین کو یقین ہو گیا تھا کہ شاور کے موجود ہوتے ہوئے وہ ملک پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ لہذا اس نے فیصلہ کر لیا کہ

جسوقت شاور اس کے پاس آئے وہ اُسے گرفتار کرے (۸۴) اسد الدین کے ہمراہ جو امرا گئے تھے وہ شاور کے پاس آتے جاتے تھے اسی طرح شاور بھی کبھی کبھی اسد الدین کے پاس آتا تھا اور ملاقات کرتا تھا۔ وزراء مصر کے طریق کے مطابق اس کی سواری فوجی باجے نقارہ اور جھنڈے کیساتھ نکلا کرتی تھی لہذا بجز سلطان کے اور کوئی اسے گرفتار کرنے کی ہمت نہ کرسکا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب شاور سلطان سے ملنے آیا تو سلطان بھی اس سے سوار ہوکر ملا اور اس کے برابر ہی ہوگیا اور گریبان میں ہاتھ ڈالدیا اور اپنی فوج کو اس کے ہمراہیوں کے گرفتار کرنیکا حکم دیدیا لہذا وہ بھاگے اسد الدین کے فوجیوں نے اُنھیں خوب لوٹا۔ شاور کو ایک تنہا خیمہ میں اُتارا گیا۔ اسی وقت ایک خاص خادم کے ہاتھ مصریوں کی جانب سے ایک محضر نامہ پہنچا جس میں انھوں نے حسب عادت لکھا تھا کہ فوراً سر کاٹ دو جیسا کہ وہ ہمیشہ وزراء کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ شاور کا سر اُتار دیا گیا اور اہل مصر کے پاس بھیجدیا گیا اور اُنھوں نے خلعت وزارت اس کے پاس بھیجدی۔ اسد الدین نے خلعت وزارت زیب تن کی اور مصر کی جانب روانہ ہوا۔ قصر شاہی میں داخل ہوا اور وزیر قرار دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۷ ربیع الاول ۵۶۴ھ کا ہے۔ اسد الدین برابر حکمراں رہا اور سلطان صلاح الدین اپنی قابلیت دانشمندی حسن رائے اور حسن سیاست کی وجہ سے تمام امور سلطنت ۲۲ جمادی الثانی ۵۶۴ھ تک انجام دیتا رہا اس کے بعد اسد الدین کا انتقال ہوگیا (۸۵) میں کہتا ہوں! اسد الدین کا حال اور اس کی موت کی کیفیت پہلے بیان ہوچکی اب اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں اسیطرح شاور کی وفات کا حال بھی بیان ہوچکا۔

یہ تمام بیان میں نے اپنے استاذ کی کتاب "سیرۃ صلاح الدین" سے نقل کیا ہے لیکن صرف ضروری چیزیں بیان کی ہیں۔ میں نے خود اپنے سودات میں اپنے قلم سے لکھا ہوا دیکھا کہ اسد الدین بدھ کے روز ۱۷ ربیع الثانی ۵۶۴ھ میں قاہرہ میں داخل ہوا اور مصر کے آخری بادشاہ عاضد لدین اللہ نے اس کا استقبال کیا۔ اور جمعہ کے روز ۹ تاریخ کو ایوان سلطنت میں آیا اور عاضد کے پہلو میں بیٹھا۔ عاضد نے اُسے خلعت وزارت عطا کی۔ شاور نے بھی بہت زیادہ محبت اور تعلق کا اظہار کیا تب اسد الدین نے اپنے لشکر کے مصارف کیلیے اس سے روپیہ طلب کیا شاور نے اُسے ٹالدیا۔ لہذا اسد الدین نے کہلا کر بھیجا کہ لشکر اخراجات بسر نہ آنے کی وجہ سے اُس سے بہت زیادہ بددل ہوگیا ہے۔ لہذا اب ذرا ہوشیار ہوکر نکلنا۔ شاور نے اس کی بات کی کچھ پروا نہ کی اور ارادہ کیا کہ ایک دعوت (پارٹی) دے اور اس میں شیرکوہ اور شامی لشکر کو مدعو کرے اور گرفتار کرلے۔ اسد الدین اُس کی اس نیت کو تاڑ گیا لہذا صلاح الدین اور عزالدین جور دیک نوری اور دوسرے سرداروں نے شاور کے قتل کا فیصلہ کرلیا اور اسد الدین کو اس کی اطلاع دی۔ اسد الدین نے اُن کو منع کردیا (ایک روز) شاور اسد الدین کی جانب چلا ان کے خیمے نیل کے کنارے (۸۶) مقام مقس میں لگے ہوئے تھے اسد الدین کو خیمہ میں نہ پایا وہ امام شافعی کی قبر کی زیارت کے لیے قرافہ میں گیا تھا۔ شاور نے کہا ہم بھی وہیں چلتے ہیں چنانچہ یہ لوگ اس سے جاملے اور سب ساتھ روانہ ہوئے۔ صلاح الدین اور

جوردیک نوری نے شاور کو گھیر لیا اور گھوڑے سے اتار کر مشکیں کس دیں شاور کے ساتھی بھاگ گئے اور اسے گرفتار کر لیا۔ لیکن بلا اجازت قتل نہ کر سکے ایک خیمہ میں بند کر دیا (۸۷) اور پہرے کی چوکی اس پر لگادی۔ عاضد نے شاور کے قتل کا حکم بھیجدیا چنانچہ انھوں نے اُسے قتل کر دیا اور سر نیزہ پر رکھ کر عاضد کے پاس بھیجدیا۔ یہ واقعہ ہفتہ کے روز ۱۷ ربیع الثانی ۵۶۴ھ کا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسد الدین اس موقعہ پر نہ تھا بلکہ جب شاور اسد الدین کی جانب روانہ ہوا تو صلاح الدین اور جوردیک کا اس سے آمنا سامنا ہوگیا ان کے ساتھ کچھ فوج بھی تھی آپس میں سلام دعا ہوئی اور ایک ساتھ روانہ ہوگئے اور پھر اس کے ساتھ یہ کاروائی کی واللہ اعلم

پھر شاور کے قتل کے بعد عاضد نے اسد الدین کو بلوایا۔ ابھی تک اسد الدین اپنے خیمہ گاہ (کیمپ) میں ہی تھا۔ اسد الدین قاہرہ آیا۔ وہاں عوام کا بہت بڑا مجمع دیکھا تو اسے اپنے متعلق خطرہ ہوا لہذا اس نے اُن سے کہا: "آقا" محترم عاضد نے بنفس حکم دیا ہے کہ شاور کا گھر بار لوٹ لو چنانچہ مجمع منتشر ہوگیا۔ اور شاور کا گھر لوٹنے چلے گئے

اسد الدین عاضد کے پاس گیا۔ عاضد نے اس کا استقبال کیا خلوت وزارت سے سرفراز فرمایا اور "ملک منصور سپہ سالار اعظم" کا لقب دیا۔ بعد ازاں اتوار کے روز ۲۲ جمادی الثانیہ سنہ مذکور کو کی بیماری میں وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اُسے وزارت کی خلعت سے سرفراز کیا گیا تو اس لباس وزارت میں زہر دیدیا گیا (لباس زہر آلود تھا) اسد الدین کی وفات قاہرہ میں ہوئی اور "دار الوزارۃ" میں دفن کیا گیا۔ اور اس کے بعد مدینہ طیبہ میں (اس کی نعش) منتقل کر دی گئی اس کی مدت وزارت دو ماہ پانچ دن تھی (۸۸) اور کہا جاتا ہے کہ اسد الدین پیر کے دن ۱۹ ربیع الثانی سنہ مذکور میں عاضد کے پاس گیا۔

صلاح الدین مصر کا وزیر ۵۶۴ھ سے ۵۶۷ھ تک

مورخین بیان کرتے ہیں کہ جب اسد الدین کا انتقال ہوگیا تو اس کے بعد مصر میں تمام سیاسی حالات صلاح الدین یوسف بن ایوب کیلئے ہموار ہوگئے حکومت کی بنیادیں مستحکم ہوگئیں حالات اور صورت حال بہت ہی موافق اور موزوں ہوگئی (فراخ دلی سے) مال خرچ کیا اور اہل مصر کے دلوں کا مالک بن گیا۔ دنیا اس کی نظروں میں ہیچ تھی۔ لہذا وہ دنیا کا مالک ہوا اور خدا کے احسان کا شکریہ ادا کیا۔ شراب سے توبہ کی سامان عیش ونشاط برطرف کر دیا اور سعی وجد وجہد کا لباس زیب تن کیا ہمیشہ نیکوئی کے راستے پر قائم اور مرتے دم تک برابر بھلائی اور خدا سے قریب کر دینے والے کاموں پر ثابت قدم رہا۔

ہمارے شیخ ابن شداد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ میں نے صلاح الدین کو کہتے ہوئے سنا کہ جب اللہ پاک نے

ممالک مصر (کی فتح) میرے لیے آسان کر دی تو میں سمجھا کہ دراصل اللہ پاک ساحل (فلسطین) فتح کرانا چاہتا ہے۔ کیونکہ (اس کے بعد فوراً) اللہ پاک نے یہ خیال میرے دل میں پیدا کر دیا۔ چنانچہ جب سے فتوحات مصر کی تکمیل ہوئے ﷺ (۸۹) برابر کرک اور شوبک وغیرہ تک ساحلی عیسائیوں پر تاخت و تاراج کرتا رہا اور مجاہدین پر اس کے ابر کرم کی اس قدر بارشیں ہوئیں (۹۰) کہ ان ایام کے سوا کسی زمانہ میں تاریخ میں ان کی نظیر نہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت تھا جبکہ وہ فاطمیین کا تاج فرمان وزیر تھا لیکن خود مذہب اہلسنت کا پیرو تھا اور بلاد مصر میں علمائے فقہ اور علم و تصوف اور مذہب کے پودے لگا رہا تھا لوگ ہر جانب سے اسکے پاس دوڑے چلے آتے تھے اور اپنی جانیں اس پر قربان کرتے تھے وہ بھی کسی آنے والے (امیدوار) کو محروم اور کسی طالب عطا کو بے نیل مرام واپس نہ کرتا تھا ۵۶۹ھ تک یہی رفتار رہی۔

جب نورالدین کو مصر میں سلطان صلاح الدین کے استقلال کا علم ہوا تو اس نے اسدالدین شیرکوہ کے کارکنوں سے حمص واپس لے لیا۔ یہ واقعہ ۵۶۴ھ میں پیش آیا۔

جب عیسائیوں کو مسلمانان شام اور عساکر شامیہ کی ان فتوحات اور بلاد مصر میں سلطان صلاح الدین کے استقلال سلطنت کی خبر پہنچی تو انھیں یقین ہوگیا کہ صلاح الدین اُس قوت و سلطنت کے زور سے جو اُسے میسر آگئی ہے ہمارے شہروں پر ضرور قبضہ کر لیگا اور ہمارے ملکوں کو تباہ و برباد اور قومی آثار و نشانات کی بیخکنی میں دریغ نہ کرے گا (۹۱) لہذا عیسائی اور رومی اقوام جمع ہوگئیں اور دیار مصر کا انھوں نے رخ کیا چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے دمیاط کا ارادہ کیا۔ تمام سامان حصار اور بقدر ضرورت ضروری سامان ان کے ہمراہ تھا اور جب شام کے عیسائیوں نے یہ (استقلال صلاح الدین) سنا تو انھوں نے بھی زور پکڑا چنانچہ بالکل بے خبری کی حالت میں مسلمانوں سے قلعہ عکا چھین لیا اور وہاں کے حاکم کو گرفتار کر لیا یہ نورالدین کا مملوک غلام تھا "خطلخ علمدار" اس کا نام تھا یہ واقعہ ماہ ربیع الثانی ۵۶۵ھ کا ہے جب نورالدین نے عیسائیوں کی یہ دست درازی اور دمیاط پر پیش قدمی دیکھی تو اُس نے ان کو اُبھارنے کا ارادہ کیا چنانچہ قلعہ کرک پر فوجیں اتریں اور شعبان ۵۶۵ھ میں قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لہذا تمام ساحلی عیسائی فوجیں (دمیاط کو چھوڑ کر) اسکی جانب روانہ ہوگئیں نورالدین کرک سے پیچھے ہٹ آیا اور (راستہ میں) اس نے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ اسکے سامنے نہ ٹھہرے اس کے بعد اسے مجدالدین کی وفات کی اطلاع ملی۔

مجدالدین کی وفات حلب میں ماہ رمضان المبارک ۵۶۵ھ میں ہوئی۔ نورالدین اس کی وفات

وفات کی وجہ سے بہت زیادہ آزردہ خاطر ہوا کیونکہ وہ اس کا معتمد علیہ تھا اور شام کے ارادہ سے واپس ہوا (راستہ میں) اس کو حلب کے ان زلزلوں کا علم ہوا جنھوں نے بہت سے شہر برباد کر دیئے تھے۔ یہ زلزلے ۱۲ شوال سنہ ۵۶۵ھ میں آئے تھے لہٰذا وہاں سے حلب کے ارادہ سے روانہ ہوا تو اسے اپنے بھائی قطب الدین کے موصل میں وفات پانے کی خبر پہنچی (میں کہتا ہوں۔ قطب الدین کے حالات میں میں اس کی موت کی تفصیل بیان کر چکا ہوں اس کا نام مودود تھا) یہ خبر اس کو اس وقت ملی جبکہ وہ "تل باشد" میں تھا اسی لیے وہ رات کو بلاد موصل کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب صلاح الدین کو عیسائیوں کے دمیاط روانہ ہونے کی خبر پہنچی تو اس نے بھی فوجیں اور سامان حرب روانہ کر کے عیسائیوں کے مقابلہ کی تیاری کی اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر عیسائیوں نے فوراً حملہ کر دیا تو ان کو کمک بھیجے گا۔ اور بڑی فراخ حوصلگی سے مجاہدین کو انعامات اور عطایا عطا فرمائیں۔ صلاح الدین ایک جری اور خود مختار وزیر تھا کسی چیز میں اس کا حکم ٹالا نہ جا سکتا تھا۔ پھر عیسائی فوجیں دمیاط پہنچ گئیں اور ان کے حملے اور لڑائیاں زور پکڑ گئیں صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ ان پر باہر سے حملے کر رہا تھا اور شامی لشکر اندرونی جانب سے لڑ رہا تھا اللہ پاک نے مسلمانوں کو صلاح الدین کی ذات اور اس کے حسن تدبیر کی بدولت مدد فرمائی چنانچہ عیسائی افواج دمیاط سے ناشاد و نامراد (بہت سا سامان حرب چھوڑ کر) واپس ہوئیں منجنیق جلا دیئے گئے۔ سامان جنگ لوٹ لیا گیا اور بہت بھاری مقدار میں فوجیں قتل کی گئیں۔ صلاح الدین کی سلطنت کی بنیادیں پختہ ہو گئیں۔ اور اس نے اپنے والد نجم الدین ایوب کو بلانے کے لیے قاصد بھیجا تاکہ مسرت و شادمانی پورے طور پر حاصل ہو جائے اور یہ واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے بالکل مشابہ ہو جائے۔ چنانچہ نجم الدین جمادی الثانیہ ۵۶۵ھ میں (مصر) پہنچے۔ میں کہتا ہوں! ابن شداد نے نجم الدین کے مصر پہنچنے کی یہی تاریخ بیان کی ہے (۹۳) لیکن صحیح وہی ہے جو میں نے اس کے حالات میں ذکر کی ہے (یعنی ۲۴ رجب ۵۶۵ھ)۔ صلاح الدین نے اپنی سابقہ عادت کے مطابق باپ کا ادب و احترام کیا اور تمام امور سلطنت اس کے سپرد کر دیئے مگر اس نے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا "فرزند! اللہ پاک نے تجھے سلطنت مصر کیواسطے اس لیے انتخاب کیا ہے کہ تو اس کا اہل ہے اور مقام سعادتمندی کو تبدیل کرنا مناسب نہیں۔ لہٰذا صلاح الدین نے تمام خزانوں پر اسے مختار بنا دیا اور عاضد کی موت تک برابر صلاح الدین مصر کا وزیر رہا۔

میں کہتا ہوں! اس باب میں جو باتیں میں نے بیان کی ہیں۔ ان کا بیشتر حصہ استاذ ابن شداد کی کتاب سیرۃ صلاح الدین سے میں نے نقل کیا ہے کچھ حالات اور وہ بھی لیے باقی جو ہمارے استاذ مذکور حافظ عز الدین ابن اثیر نے اپنی کتاب تاریخ آتابکیہ میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ صلاح الدین کی وزارت کی صورت یہ ہوئی کہ مصر میں

جو نوری امرا موجود تھے ان میں کی ایک جماعت نے اسدالدین کی وفات کے بعد افواج اور منصب وزارت پر قبضہ کرنا چاہا لہذا عاضد بادشاہ مصر نے صلاح الدین کے پاس قاصد بھیجا اور اس کو خلعت وزارت پہنا نے اور زمام سلطنت سپرد کرنے کے لیے قصر سلطنت میں اپنے پاس بلایا۔ عاضد کو اس حرکت پر صلاح الدین کی کمزوری نے آمادہ کیا تھا عاضد کا خیال تھا کہ صلاح الدین کے پاس نہ لشکر ہے اور نہ کوئی جماعت اس کو جب وزیر بنا دیا جائے گا تو اس کی حکومت کمزور ہوگی بآسانی اس پر حکمرانی کی جا سکے گی اور وہ مخالفت کی ہمت نہ کر سکے گا اور یہ کہ وہ (اس تدبیر سے) شامی لشکر پر ایسے آدمی کا تقرر کرے جو ان کو عاضد کا طرفدار بنا دے (۹۴) اور جب کچھ حصہ اس کے ساتھ ہو جائے گا تو باقی کو مصر سے نکال دیگا اور تمام بلاد مصر اس کے قبضہ میں آجائیں گے اور شامی لشکر اس کے پاس اتنی مقدار میں ہوگا جو عیسائیوں اور نورالدین کے حملوں سے اسے بچا سکے گا حالانکہ مثل مشہور ہے میں نے تو عمر کو مارنا چاہا تھا مگر اللہ نے خارجہ کو (چنانچہ خارجہ ہی مارا گیا) (مثل مشہور ہے بکائی تھی کھیر ہو گیا دلیا)

اصل مقصد کی جانب رجوع

بہر حال صلاح الدین نے انکار کیا اور اس کا اس منصب سے دل ہر ہرایا تو عاضد اور بھی چمٹا اور زبردستی اسے گھیرا (حدیث میں آتا ہے) اللہ پاک تعجب کرتا ہے ایسے لوگوں سے جو زنجیروں سے جکڑ جکڑ کر جنت میں لیجائے جاتے ہیں (القصہ) جب صلاح الدین محل میں پہنچا تو وزارت کا لباس، جبہ اور عمامہ وغیرہ اس کو پہنا دیا گیا اور ملک ناصر اس کو لقب دیا گیا۔ صلاح الدین اسدالدین کے قصر میں واپس آگیا اور وہیں قیام کیا۔ صلاح الدین کے قدم مصر میں جم گئے اور اس کی حکومت مستحکم ہوگئی اور اس وقت تک وہ ملک عادل نورالدین کا نائب تھا اور خطبہ تمام ممالک مصر میں نورالدین کے نام پر پڑھا جاتا تھا اور انہی کے حکم سے تمام کام انجام پاتے تھے۔ نورالدین صلاح الدین کو امیر اسفہسالار لکھا کرتا تھا اور خطوط میں اپنا نام لکھنے سے بچنے کے لیے شاہی نشان لکھا کرتا تھا نیز کبھی تنہا صلاح الدین کے نام خط نہیں لکھتا تھا بلکہ (۹۵) اس طرح لکھتا تھا "امیر اسفہسالار صلاح الدین اور تمام ملک مصر کے شامی افسران اور حکام ایسا ایسا کریں" صلاح الدین نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا اور جو دولت اسدالدین نے جمع کی تھی وہ سب اسنے خرچ کر دی اور عاضد سے بھی باصرار کچھ مال طلب کیا عاضد منع نہ کر سکا لہذا لوگ اس کی جانب جھک گئے اور دل سے اس سے محبت کرنے لگے اور اب حکومت مصر ہاتھ میں لیئے اور استقلال کے ساتھ حکومت کرنے کے لیے وہ پورے طور پر آمادہ ہو گیا اور عاضد کی حکومت کمزور پڑ گئی لہذا وہ (اس) معاملہ میں کالباحث حتف انفہ[۵] کا مصداق بن گیا۔

ف۵ اپنے ہاتھوں اپنی موت بلانیوالا ۱۲

ابن اثیر اپنی تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں کہ میں نے (سلاطین عالم کی) بہت سی تاریخوں کا بغور مطالعہ کیا بہت سے ایسے لوگ دیکھے جن سے حکومت اور سلطنت کا آغاز ہوا۔ (مگر) حکومت اُن کی اولاد سے نکلکر ان کے کسی عزیز یا رشتہ دار کے پاس پہنچ گئی۔ چنانچہ آغاز اسلام میں معاویہ بن ابی سفیان اپنے خاندان (بنو امیہ) کے سب سے پہلے بادشاہ تھے (مگر) اُنکے بعد سلطنت ان کی اولاد سے ان کے چچا زاد بھائی بنو مروان کے پاس منتقل ہوگئی پھر اُنکے بعد خاندان عباسیہ میں سب سے پہلا بادشاہ سفاح ہوا (مگر) حکومت اُس کی اولاد سے اُس کے بھائی منصور اور اس کی اولاد کی جانب منتقل ہوگئی پھر ان کے بعد سامانی خاندان میں سب سے پہلا مستقل بادشاہ نصر بن احمد سامانی ہوا (لیکن) سلطنت اس کے بھائی اسمٰعیل بن احمد اور اس کی اولاد کی جانب منتقل ہوگئی پھر اس کے بعد یعقوب صفّار اپنے خاندان (صفّاریہ) کا سب سے پہلا بادشاہ ہوا مگر سلطنت اس کی اولاد سے اس کے بھائی عمرو کی اولاد کی جانب منتقل ہوگئی، پھر عماد الدین ابن بویہ اپنے خاندان (آل بویہ) میں سب سے پہلا بادشاہ ہوا لیکن سلطنت (۹۶) اس کے بھائیوں معز الدولہ اور رکن الدولہ کی جانب منتقل ہوگئی بعد ازاں سلجوقی خاندان میں سب سے پہلا بادشاہ طغرل بیک ہوا اور سلطنت اسکے بھائی داؤد کی اولاد کی جانب منتقل ہوگئی پھر آخر میں یہ شیرکوہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ حکومت اس کے بھائی نجم الدین کی اولاد میں منتقل ہوگئی۔ اگر طول کلام کا خوف نہ ہوتا تو ہم اور اس سے زائد مثالیں بیان کرتے۔ میں نے جو اسکا سبب سمجھا ہو وہ یہ ہی کہ جو شخص سب سے پہلے سلطنت کی بنیاد قائم کرتا ہی وہ بالعموم بہت زیادہ کشت و خون کرتا ہے اور پھر ملک پر قبضہ کرتا ہی مگر اہل ملک کے دل اس سے دُکھے ہوئے ہوتے ہیں اسی لیئے اللہ پاک اس کو محروم کر دیتا ہے اور یہی اس کے لیئے سزا تجویز کرتا ہی۔

صلاح الدین کا حال

صلاح الدین نے نورالدین کے پاس پیام بھیجا اور خواہش کی کہ اس کے بھائیوں کو اسکے پاس مصر بھیجدے نورالدین نے منظور نہیں کیا اور کہا مجھے ڈر ہے کہ کوئی انہیں سے تمہارے خلاف نہ ہو جائے اور (باہمی خانہ جنگی میں) تم ملک کو تباہ نہ کردو۔ پھر کچھ عرصہ بعد عیسائی محاربین جمع ہوئے تاکہ مصر کی جانب روانہ ہوں تو نورالدین نے شام سے فوجیں روانہ کیں انھیں فوجوں میں صلاح الدین کے بھائی بھی تھے۔ چنانچہ توران شاہ ابن ایوب بھی انہی فوجوں میں تھا۔ (میں کہتا ہوں! اس توران شاہ کا حال مستقل عنوان کے ماتحت اس سے پہلے گذر چکا ہی) توران صلاح الدین سے بڑا تھا۔ جب توران شاہ روانہ ہونے لگا تو نورالدین نے اس سے کہا کہ اگر تو مصر جاتا ہوا اور اپنے بھائی یوسف کو اس نظر سے دیکھنا چاہتا ہو کہ یہ وہی یوسف ہی جو تیرے سامنے دست بستہ کھڑا رہتا تھا اور تو بیٹھا رہتا تھا تو مت جا کیونکہ (اس تخیل کی وجہ سے) تو ملک میں فتنہ پھیلائے گا اور پھر میں تجھکو بلاؤں گا اور جس سزا کا تو مستحق ہوگا وہی سزا

تجھکو دوں گا۔ اور اگر تو اس کو اس نظر سے دیکھے کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے اور میرا قائم مقام اور اس کی ایسی ہی خدمت کرے جیسے میری تو بیٹک چلا جا اور جس اہم مقصد کے وہ درپے ہے اس میں اس کی اعانت کر اس نے کہا میں اس کی ایسی خدمت اور فرمانبرداری کروں گا کہ آپ دیکھیں گے چنانچہ جو کہا تھا وہی کیا۔

پھر چند ورق کے بعد ہمارے استاذ شیخ ابن اثیر ایک فصل میں، جسکے اندر مصری سلطنت کے خاتمے اور عباسی حکومت کے مصر میں قائم ہونے کو بیان کیا ہے ...... لکھا فرماتے ہیں کہ محرم ۵۶۷ھ میں عاضد بادشاہ مصر کا خطبہ بند ہو گیا اور امیر المومنین مستضی بامر اللہ عباسی کے نام پر خطبہ پڑھا گیا۔ اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ صلاح الدین کے قدم جب مصر میں مضبوط ہو گئے اور اس نے اپنے مخالفین کو مصر سے ہٹا دیا، عاضد کا اقتدار گھٹ گیا اور مصری لشکر میں سے ایک شخص بھی باقی نہ رہا (تمام فوجیں شامی ہو گئیں) تو ملک عادل نور الدین محمود نے صلاح الدین کو لکھا اور حکم دیا کہ عاضد کے نام کا خطبہ بند کر دو اور عباسی خطبہ پڑھو۔ صلاح الدین نے اہل مصر کی مزاحمت اور اس انقلاب کو قبول کرنے سے انکار کر دینے کے خوف کا عذر پیش کیا کیونکہ وہ اہل مصر ہی حکومت چاہتے ہیں مگر نور الدین نے اس پر کوئی توجہ نہ کی اور اس کے پاس ایک ایسا پیام بھیجا اور اس چیز کو اس پر اس طرح لازم کر دیا کہ کوئی گنجائش اس کے لیئے باقی نہ رہی۔

اتفاق یہ ہوا کہ عاضد بیمار پڑ گیا اور ادھر صلاح الدین خطبہ بند کرانیکا فیصلہ کر چکا تھا لہذا اس نے امراء لشکر سے مشورہ کیا کہ کس طرح عباسی خطبہ شروع کیا جائے ان میں سے بعض نے تو اعانت پر آمادگی ظاہر کی اور اس کا مشورہ بھی دیا اور بعض نے اس کی مخالفت کی لیکن صلاح الدین کے لیئے نور الدین کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ مصر میں ایک نو وارد عجمی آیا ہوا تھا اور امیر العالم کے نام سے مشہور تھا اس سے پہلے میں نے اسے بہت سی مرتبہ موصل میں دیکھا تھا جب اس نے ان کی اس پہلو تہی کو دیکھا تو کہا لاؤ میں اسکو شروع کیئے دیتا ہوں چنانچہ محرم کا (۹۸) پہلا جمعہ جب آیا تو وہ خطیب سے پہلے ممبر پر چڑھا اور مستضی بامر اللہ کے لیے دعا کی اس پر کسی شخص نے اس کی مخالفت نہ کی (اسی طرح) جب تیسرا جمعہ آیا تو صلاح الدین نے قاہرہ اور مصر کے تمام خطیبوں کو عاضد کا خطبہ بند اور مستضی بامر اللہ کا خطبہ جاری کرنیکا حکم دیا۔ چنانچہ انھوں نے اس پر عمل کیا اور دو بکریاں بھی اس پر نہ لڑیں۔ تمام ممالک مصر میں یہی فرمان جاری کر دیا۔ عاضد کا مرض بہت بڑھ گیا تھا اس لیے اس کے اہل وعیال نے اس کی اطلاع اس کو نہ دی انھوں نے سوچا کہ اگر (مرض سے) بچ گیا تو خود جان لیگا اور اگر اس کی موت ہی آ چکی ہے تو ہم کیوں اس کی زندگی کے یہ چند روز مکدر کریں۔ چنانچہ دسویں محرم کو اس کا انتقال ہو گیا اور اس کو خبر نہ ہوئی۔ جب اس کی وفات ہو گئی تو صلاح الدین تعزیت کے لیے بیٹھا اور اس کے تمام سلطنت اور تمام ساز و سامان پر قابض ہو گیا۔ عاضد کی وفات سے پہلے صلاح الدین نے قصر کے اندر بہاء الدین قراقوش (خصی) کو قصر کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیا تھا (میں کہتا ہوں! اس کا حال اس کے تذکرہ میں گذرا) اور اس کو عاضد کے محل کا داروغہ سا بنا دیا تھا چنانچہ اس نے محل کا تمام سامان محفوظ رکھا یہاں تک کہ صلاح الدین نے سب سے

وصول کر لیا۔ عاضد کے اہل خاندان کو ایک علیحدہ مکان میں منتقل کر دیا اور ان کی حفاظت کے لیے ایک نگران مقرر کر دیا۔ اور اس کی اولاد، چچا اور چچا زاد بھائیوں کو قلعہ کے ایک چھوٹے سے محل میں رکھا اور امن کی حفاظت کے لیے ان کے پاس آدمی مقرر کر دیئے اور جتنے غلام اور لونڈیاں تھیں سب کو قلعہ سے نکالا اور انہیں سے بعض کو آزاد کر دیا (۹۹) بعض کو بخش دیا بعض کو بیچ ڈالا اور تمام قلعہ باشندگان قلعہ اور ساکنین سے خالی کر دیا۔ "بیشک پاک وہی ذات ہے جس کا ملک کبھی فنا نہ ہوگا اور اور لیل ونہار کی گردش اور زمانوں کی بھاگ دوڑ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتی۔"

جب عاضد کا مرض زیادہ بڑھ گیا تھا تو اس نے صلاح الدین کے بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ مگر صلاح الدین نے اس کو ایک چال سمجھا اور نہ گیا لیکن جب اس کی صداقت کا علم ہوا تو اپنے نہ جانے پر نادم ہوا۔ عبیدی سلطنت کا آغاز مصر، افریقہ اور اسپین میں ذی الحجہ ۲۹۹ھ سے ہوا تھا سب سے پہلا بادشاہ مہدی ابو محمد عبداللہ تھا اس نے شہر مہدیہ تعمیر کرایا تھا اور تمام افریقہ پر قبضہ کر لیا تھا (میں کہتا ہوں! شیخ ابن اثیر نے افریقہ میں مہدی عبید اللہ کے غلبہ اور استیلا کو اسی طرح بیان کیا ہے لیکن صحیح وہی ہے جو میں نے مہدی کی سوانح عمری میں لکھا ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے) ابن اثیر نے بیان کیا کہ جب مہدی مر گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ابو القاسم محمد قائم مقام ہوا اس کے بعد ابن اثیر نے عاضد تک ایک ایک بادشاہ کا مفصل ذکر کیا اور پھر کہا کہ ان کی سلطنت ختم ہو گئی۔ کل مدت سلطنت دو سو چھیاسٹھ سال تھی اور مصر میں ان کا قیام (۱۰۰) دو سو آٹھ سال تک رہا ان میں چودہ بادشاہ ہوئے (نام کتاب میں دیکھو) میں کہتا ہوں! ان میں سے ہر ایک کا حال میں نے مستقل عنوانات کے ذیل میں اس کتاب کے اندر بیان کیا ہے جو کوئی شخص کسی بادشاہ کا حال معلوم کرنا چاہے اس کے نام سے تلاش کر لے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

شیخ ابن اثیر نے بیان کیا کہ جو حالات ہم نے یہاں مجمل طور پر بیان کیے ہیں وہ پوری تفصیل کے ساتھ تاریخ کبیر میں ذکر کیے ہیں یہ وہی مشہور کتاب ہے جس کا نام کامل ابن اثیر ہے اور اپنے موضوع پر سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔

ابن اثیر نے بیان کیا کہ جب صلاح الدین قلعہ اور قلعہ کے مال و دولت اور خزائن پر قابض ہو گیا تو اس میں سے جو چاہا خود اپنے پاس رکھا اور جو چاہا عاضد کے اہل و عیال کو بخشدیا بہت سی چیزیں فروخت کر دیں۔ اس قلعہ میں ایسے ایسے قیمتی جواہرات اور نفیس دلآویز چیزیں تھیں جو آج تک کسی بادشاہ کے پاس نہیں ہوئیں اور جو سالہا سال اور زمانہ ہائے دراز میں جمع کی گئیں تھیں چنانچہ اس میں زمرد کی شاخ

جس کا طول ڈیڑھ بانس کی برابر تھا اور یاقوت کا پہاڑ بھی تھا اور خطوط منسوبہ اور دوسرے عمدہ عمدہ قلم کی لکھی ہوئی منتخب کتابوں کی تقریباً ایک لاکھ جلدیں موجود تھیں جب مصر میں مستضی بامراللہ کے نام پر خطبہ پڑھا گیا تو نورالدین نے اس کو اطلاع دینے کے لیے قاصد بھیجا۔ نورالدین کی وقعت مستضی بامراللہ کی نظروں میں بہت زیادہ بڑھ گئی اور بہت سی کامل خلعتیں عمادالدین صندلی کے ہمراہ نورالدین کے پاس بطور اعزاز بھیجیں۔

(۱۰۱) کیونکہ عمادالدین حکومت عباسیہ میں بہت بڑا رتبہ رکھتا تھا۔ اسی طرح صلاح الدین کے لیے بھی خلعتیں بھیجیں مگر یہ نورالدین کی خلعتوں کی نسبت کم تھیں اور عباسی سلطنت کے سیاہ جھنڈے بھی بھیجے تاکہ منبروں پر لگائے جائیں۔ یہ سب سے پہلا عباسی ساز و سامان تھا جو عبیدیین کے مصر پر قابض ہونے کے بعد مصر میں پہنچا۔ استاذ ابن اثیر کا بیان ختم ہوچکا۔

میں کہتا ہوں! جب خلیفہ مستضی بامراللہ ابومحمد حسن کو جو خلیفہ مستنجد کا لڑکا اور خلیفہ الناصرالدین اللہ کا باپ تھا مصر کے جدید انقلابات کی اور اتنی مدت دراز تک بند رہنے کے بعد پھر اس کے نام پر خطبہ اور سکہ جاری ہونے کی خبر پہنچی تو مذکورۂ سابق ابن تعاویذی کے نواسہ نے ایک ہنگامہ خیز قصیدہ لکھا جس میں مستضی بامراللہ کی تعریف اور ان فتوحات کا اس میں تذکرہ کیا اسی طرح ملک یمن کی فتوحات اور اس خارجی کی ہلاکت کا بھی ذکر آیا جسنے اپنا نام مہدی رکھا تھا یہ واقعہ ۵۶۷ھ کا ہے۔ صلاح الدین نے مستضی بامراللہ کے لیے مصر کے بیش قیمت ذخیروں اور مصریوں کے ساز و سامان میں سے بہت سی چیزیں بھیجیں۔ اس قصیدہ کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

(۱) جب بادلوں (کے تھنوں) کو ہواؤں کے ہاتھ سہلائیں اور وہ بارش سے بوجھل ہوجائیں۔

(۲) تو اس وقت ان بادلوں سے کہدو کہ وہ لوی کی جانب مڑ جائیں اور دوستوں کے گھروں اور قدیم کھنڈرات پر اپنے آنسو بہائیں۔

(۳) باقی میں نے تو جس رات اس سے ملاقات کی تھی (اپنی) اور اس کی طرف سے

(۴) مستضی ابومحمد الحسن کی تعریفیں کرکے (اس گناہ کا کفارہ ادا کر دیا تھ

(۱۰۲) (۵) جو خلافت کی بلندیوں اور چوٹیوں پر مقیم ہے۔

(۶) اے عدل و انصاف میں نبی کے طریقوں پر چلنے والے

(۷) اے نبوت اور خلافت کے اخلاق کو بیک وقت جمع کرنے والے۔

(۸) تیری ہیبت کے سامنے ملک اور قلعے اور شہر سب جھک گئے۔

(۹) مشرفی کاٹنے والی تلواروں سے اور لچکتے ہوئے نیزوں سے۔
(۱۰) صعید مصر سے لے کر عدن تک کے بادشاہوں کے لوٹے ہوئے اموال تیرے پاس آگئے۔
(۱۱) جو ذوزعین اور ذویزن نے قدیم زمانہ میں جوڑ کر رکھے تھے۔
یہ قصیدہ بہت طویل ہے ہم اتنے ہی اشعار پر اکتفا کرتے ہیں یہی بہت کافی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور قصیدہ بھی مستضیٔ کی مدح میں لکھا اس میں بھی اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔

۴۔ سلطان قاہرہ میں ۵۶۷ھ سے ۵۶۹ھ تک

شیخ ابن اثیر نے اس کے بعد ایک باب قائم کیا جس میں نورالدین اور صلاح الدین کے درمیان اندرونی طور پر مخالفت پیدا ہونے کا حال بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ۵۶۷ھ میں ایسے اسباب پیدا ہوئے جنھوں نے صلاح الدین اور نورالدین کے درمیان کشیدگی اور مخالفت پیدا کردی واقعہ یہ ہوا کہ نورالدین نے صلاح الدین کے پاس پیام بھیجا اور تمام مصری فوجیں جمع کرنے اور ان کو ہمراہ لے کر عیسائی ممالک کیجانب روانہ ہونے اور کرک پر اُترنے اور محاصرہ کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ خود بھی اپنی فوجیں جمع کرے اور صلاح الدین کے پاس بھیجے اور وہاں پہنچ کر دونوں صلیبی جنگ اور عیسائیوں کے شہروں پر قبضہ حاصل کرنے میں شریک ہوجائیں۔ چنانچہ صلاح الدین نے محرم کی ۲۰ تاریخ کو اس فرمان کا جواب دیا اور نورالدین کو لکھا (۱۰۳) کہ میری روانگی میں کوئی تاخیر نہ ہوگی۔ نورالدین نے اپنی فوجیں جمع کرلی تھیں۔ تیاری کرچکا تھا صرف صلاح الدین کی روانگی کی خبر آنے کا منتظر تھا تاکہ (اس خبر کے آتے ہی) خود بھی روانہ ہو چنانچہ جب اس کے پاس یہ خبر پہنچی تو کرک پر حملہ کرنے کے ارادہ سے دمشق سے کوچ کیا اور کرک پہنچ گیا اور صلاح الدین کے پہنچنے کا منتظر رہا۔ صلاح الدین نے خط بھیجا اور اس میں کرک نہ پہنچنے کے بارے میں علویوں کے بعض طرفداروں کیجانب سے کچھ سازشوں کی خبر پہنچنے کی وجہ سے مصر میں اندرونی بدامنی پیدا ہوجانے کا عذر پیش کیا۔ اور یہ کہ وہ علوی مصر پر حملہ کرنے کا ارادہ کرچکے ہیں۔ اور یہ کہ اُسے مصر کے متعلق خطرہ ہے کہ اُس کی عدم موجودگی کیصورت میں وہاں کے باشندے اُس کے قائم مقام کیخلاف کھڑے ہوجائیں گے۔ مگر نورالدین نے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور صلاح الدین سے ناراض ہوگیا۔

صلاح الدین کی پہلوتہی کا اصل سبب یہ تھا کہ اس کے رفقار کار اور مخصوص خیرخواہوں نے اُسے نورالدین سے ملاقات کرنے سے ڈرایا اب چونکہ صلاح الدین نے نورالدین کا حکم نہ مانا تھا لہٰذا یہ نورالدین کو بہت ناگوار گذرا اور اس خلاف ورزی کو اس نے بہت اہمیت دی اور حدود مصر میں گھس جانے اور

صلاح الدین کو وہاں سے نکال دینے کا فیصلہ کر لیا۔ صلاح الدین کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے اپنے تمام اہل خاندان کو جمع کیا اس کا باپ نجم الدین اور ماموں شہاب الدین حارمی بھی ان میں تھے تمام امراء تمام بھی ان کے ہمراہ تھے صلاح الدین نے اُن کو آگاہ کیا کہ نورالدین اس کے مقابلہ پر صف آرا ہونے اور مصر کو اس سے لے لینے کا عزم کر چکا ہے اور (اس سلسلے میں) اُن سے مشورہ طلب کیا مگر اُن میں سے کوئی نہ بولا تو تقی الدین عمر صلاح الدین کا بھتیجا کھڑا ہوا۔ (میں کہتا ہوں! اس کا حال بھی ایک مستقل عنوان کے ذیل میں گذر چکا ہے) اور اس نے کہا کہ اگر نورالدین آیا تو ہم اس سے لڑیں گے اور ملک کو اس کے تسلط سے بچائیں گے اور دوسرے افراد خاندان نے بھی اس کی تائید اور موافقت کی۔ تب نجم الدین (اوٹھا اور اس) نے سب کو ڈانٹا اور اس ارادہ کو قطعاً ناپسند کیا اور بہت بُرا کہا نجم الدین بہت سنجیدہ متین اور عقلمند آدمی تھا اور تقی الدین سے کہا بیٹھ جا اور اسکو بھی بہت بُرا بھلا کہا اور صلاح الدین سے کہا میں تیرا باپ ہوں اور یہ شہاب الدین تیرا ماموں ہے۔
(۱۰۴) کیا تیرا خیال ہے کہ ان سب میں کوئی شخص بھی ہمارے برابر تجھ سے محبت کرتا ہے اور تیرا بہی خواہ ہے۔؟
صلاح الدین نے کہا نہیں تو نجم الدین نے کہا کہ خدا کی قسم اگر میں اور تیرا ماموں شہاب الدین نورالدین کو دیکھ لیں تو ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے کہ پا پیادہ ہو جائیں اور آداب بجا لائیں اور اگر وہ ہمیں حکم دے کہ ہم تلوار سے تیری گردن اُڑا دیں تو ہم ضرور اس پر عمل کریں گے اور جب ہمارا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا حال ہوگا۔ اور یہ جتنے سردار اور فوجی سپاہی تیرے سامنے موجود ہیں ان میں سے کوئی شخص بھی اگر تنہا نورالدین کو دیکھ لے تو اسے اپنی زین پر بیٹھے رہنے کی ہمت نہ ہوگی اور سوائے گھوڑے پر سے اُتر پڑنے اور قدم بوسی کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ یہ تمام ملک اس کا ہے اس نے ہی تجھے یہاں اپنا قائم مقام بنایا ہے اگر وہ تجھے معزول کرنا چاہے تو ہم اس کا فرمان بجا لائیں گے۔ لہذا صحیح مشورہ یہ ہے کہ تو نورالدین کے پاس ایک خط لکھ اور اس میں یہ ظاہر کر کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میرا ملک فتح کرلے کے لیے روانہ ہونے کا ارادہ رکھتے ہو اس کی کیا ضرورت ہے؟ آقا ایک دربان کو بھیج دے وہ میری گردن میں رومال ڈال کر تمہارے پاس پکڑ کر پہنچا دے گا۔ اس لیے کہ یہاں کوئی ایک شخص بھی تمہارے حکم سے سرتابی کرنیوالا نہیں۔
اور (اس کے بعد اپنے تمام آدمیوں کو کہا جاؤ ہم سب نورالدین کے مملوک اور خریدے ہوئے غلام ہیں وہ جو چاہے ہمارے ساتھ کرے (اُسے اختیار ہے) چنانچہ اس خیال کو لے کر وہ سب لوگ منتشر ہو گئے۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے نورالدین کو اس واقعہ کی اطلاع دی جب نجم الدین ایوب اور صلاح الدین میں تخلیہ ہوا تو کہا تو بھی بالکل نادان اور بیوقوف شخص ہے اتنے بڑے گروہ کو جمع کرتا ہے اور ان کو اپنے راز اور دل کی بات سے آگاہ کرتا ہے جب نورالدین سُنے گا کہ تو نورالدین کو مصر سے بے دخل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے تو تیرے معاملہ کو سب کاموں سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ مرکز توجہ بنائے گا اور اگر اس نے تیرے مقابلہ کا ارادہ کیا تو اس لشکر میں سے ایک شخص بھی تو اپنے ہمراہ نہ پائے گا اور یہ سب

تجھے اس کے سپرد کر چکے ہوں گے اور اب تو وہ اس مجلس کے بعد اس کے پاس خط لکھیں گے اور میری اس تقریر سے اُسے آگاہ کریں گے اور تو بھی اس مضمون کا خط اس کے پاس بھیجے گا (۱۰۵) اور اس میں ظاہر کریگا۔ کہ میرے اوپر فوج کشی کرنے کی کیا ضرورت ہے ایک دربان آئے اور میری گردن میں رسّی ڈال کر مجھے پکڑلے جائے۔ جب نورالدین یہ سُنے گا تو تیرے اوپر چڑھائی کرنے سے رُک جائے گا اور دوسرے ضروری کاموں میں لگ جائے گا باقی زمانہ برابر بدلتا رہتا ہے اللہ پاک کی ہر روز نرالی شان ہوتی ہے۔ بخدا اگر نورالدین ہمارا ایک گنا بھی لینا چاہے گا تو میں اس سے لڑوں گا اور یا تو اسے روک دوں گا یا خود جان دیدوں گا۔

صلاح الدین نے اپنے باپ کے مشورہ پر عمل کیا۔ نورالدین نے جب یہ صورت حال دیکھی تو صلاح الدین پر فوج کشی کرنے کے ارادہ سے رُک گیا اور وہی ہوا جو نجم الدین نے کہا تھا۔ چنانچہ نورالدین کا انتقال ہوگیا مگر اس نے صلاح الدین کی جانب نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا۔ اور صلاح الدین تمام ملک پر حکمراں رہا۔ (واقعہ یہ ہے کہ) یہ رائے نہایت عمدہ اور مستحکم تھی۔ ابن اثیر کا بیان ختم ہوا۔

شیخ ابن شداد "سیرت" میں فرماتے ہیں کہ صلاح الدین ۵۶۸ھ تک رعایا کے ساتھ عدل گستری، احسان نوازی فیض رسانی کی بنیادوں پر حکومت کرتا رہا اور اس کے بعد کرک اور شوبک کے قلعوں پر حملہ کرنے کے ارادہ سے لشکر لے کر روانہ ہوا۔ سلسلہ فتوحات انہی قلعوں سے صرف اس لیے شروع کیا کہ یہ سب سے قریب تھے علاوہ ازیں یہ مصر کے راستہ پر واقع تھے ان کے باشندے مصر میں آنے جانے والوں کو روکتے تھے کسی قافلہ کے لیئے اس راستے سے گذرنا ممکن نہ تھا الّا یہ کہ خود صلاح الدین اُسے پہنچا دے لہذا اس نے راہ مصر کو وسیع اور سہل کردینے کا ارادہ کیا چنانچہ اسی سال مذکورہ بالا قلعوں کا محاصرہ کیا اور عیسائیوں سے بہت سے معرکے ہوئے مگر بے نیل مرام واپس آگیا اور کچھ بھی فتح نہ کرسکا جب اس معرکے سے واپس آرہا تھا تو راستہ میں ہی مصر پہنچنے سے قبل نجم الدین کی وفات کی خبر پہنچی (میں کہتا ہوں! نجم الدین کی تاریخ وفات میں اس کے حالات میں لکھ چکا ہوں)

ابن شداد نے بیان کیا کہ جب ۵۶۹ھ آیا تو صلاح الدین نے اپنے لشکر کی قوت اور فراوانی کو محسوس کیا (۱۰۶) ادھر صلاح الدین کو معلوم ہوا تھا کہ یمن میں کوئی شخص ہے جس کا نام عبدالنبی ابن مہدی ہے تمام یمن پر مسلط ہوگیا ہے قلعوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ لہذا اپنے بھائی توران شاہ کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا چنانچہ توران نے اسے قتل کیا اور تمام ملک اس کے قبضہ سے لے لیا (اس حملہ کی تفصیلات میں توران شاہ کے حالات میں بیان کرچکا ہوں) پھر ۵۶۹ھ میں نورالدین کا انتقال ہوگیا اس کی تفصیل میں اسکے حالات میں بیان کرچکا ہوں اب دوبارہ بیان کرنیکی ضرورت نہیں۔

جب صلاح الدین کو معلوم ہوا کہ اسوان میں کنز نامی ایک شخص نے بہت سی سوڈانی فوجیں جمع کی ہیں اور کہتا ہے کہ میں دوبارہ مصری حکومت قائم کر دوں گا۔ اہل مصر اپنی حکومت کی واپسی کو چاہتے ہی تھے لہذا وہ کنز مذکور کے ساتھ مل گئے۔ تو صلاح الدین نے اس کے استیصال کے لیے ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا اور اپنے بھائی ملک عادل کو سپہ سالار اعظم بنایا (۱۰۷) فوجیں روانہ ہوئیں اور (اسوان پہنچکر) مقابلہ ہوا اور سوڈانیوں کو شکست فاش دی۔ یہ واقعہ ۵۷۰ھ کا ہے اور صلاح الدین کیلیے حکومت کی بنیادیں پختہ ہوگئیں

نورالدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعد اپنا ایک ولیعہد ملک صالح اسماعیل نامی چھوڑا جس کا حال نورالدین کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ اپنے باپ کی وفات کے وقت دمشق میں تھا اور حلب کے قلعہ میں شمس الدین علی بن دایہ اور شاذبخت تھے ابن الدایہ نے اپنے دل میں کچھ منصوبے گانٹھے لہذا ملک صالح دمشق سے حلب روانہ ہوا اور محرم ۵۷۰ھ میں اطراف حلب میں پہنچ گیا۔ سابق الدین بھی اس کے ہمراہ تھا۔ بدرالدین حسن بن دایہ قلعہ سے نکلا اور سابق الدین کو گرفتار کر لیا۔ (مگر) جب ملک صالح قلعہ میں داخل ہوا تو اس نے شمس الدین اور اُسکے بھائی حسن بن دایہ مذکور کو (شاذبخت سمیت) پکڑ لیا اور تینوں کو جیل خانہ میں بند کر دیا۔ اُسی روز ابوالفضل ابن الخشاب کو حلب کے فساد کے سلسلہ میں قتل کر دیا گیا بعض لوگ کہتے ہیں کہ اولاد دایہ کے گرفتار ہونے سے ایک روز پہلے قتل کیا گیا ہے کیونکہ اولاد دایہ ہی نے اس کے قتل کا انتظام کیا تھا۔

باب ۲ صلاح الدین سلطان ۵۷۰ء ۵۸۳ء فتح شام ۵۷۰ء ۵۸۳ء

نورالدین کی وفات کے بعد صلاح الدین کو معلوم ہوا کہ ملک صالح بچہ ہے سلطنت کا بوجھ نہیں سنبھال سکتا اور حکومت کا بارگراں نہیں اُٹھا سکتا اور شام کے سیاسی حالات قابل اطمینان نہیں نیز مذکورہ بالا شمس الدین ابن دایہ نے بھی صلاح الدین سے اس سلسلہ میں خط وکتابت کی تھی لہذا صلاح الدین ایک بہت بڑا لشکر ہمراہ لے کر مصر سے شام کی جانب روانہ ہوا اور مصر میں ایک نگران حاکم چھوڑ دیا اور یہ ظاہر کر کے دمشق کا رخ کیا کہ میں ملک صالح کے ملکی معاملات کی دیکھ بھال کروں گا۔ لہذا منگل کے روز ۳۰ ربیع الثانی ۵۷۰ھ میں صلاح الدین دمشق کے اندر داخل ہوا اور قلعہ پر قبضہ کر لیا صلاح الدین (دمشق میں آکر) سب سے پہلے اپنے باپ کی حویلی میں گیا (میں کہتا ہوں۔ یہ حویلی شریف عفیفی کے نام سے مشہور ہے اور آجکل مدرسہ عادلیہ کے سامنے واقع ہے عفیفی کے نام سے وہاں مشہور رہی) ابن شداد نے بیان کیا کہ لوگ صلاح الدین کے پاس جمع ہو گئے اور اس کی آمد پر خوب خوشیاں منائیں۔ صلاح الدین نے بھی اس روز بہت سا مال

دولت خرچ کیا (۱۰۹) اور دمشق والوں سے بہت زیادہ اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور قلعہ کے اوپر چڑھا (اس کے بعد حلب کی جانب روانہ ہوا (راستہ میں) حمص پر چڑھائی کر دی اور ماہ جمادی الاولیٰ سنہ مذکورہ میں شہر حمص پر قبضہ کر لیا اور قلعہ کی جانب توجہ نہ کی اور وہاں سے حلب کی جانب روانہ ہوا اور جمعہ کے روز جمادی الاولیٰ کی آخر تاریخ ۵۷۰ھ میں حلب پر حملہ کیا۔ یہ شام کی جنگ میں سب سے پہلا معرکہ تھا۔

سیف الدین غازی ابن قطب الدین مودود بن عماد الدین زنگی حاکم موصل کو جب شام کے اس معرکہ کا علم ہوا تو وہ سمجھ گیا کہ اس شخص کا اقتدار بڑھ رہا ہے اور ستارہ اوج پر ہے لہذا اس کو خطرہ محسوس ہوا کہ اگر وہ اسی طرح غافل رہا تو صلاح الدین تمام ملک پر مسلط ہو جائے گا اور شام میں اس کے پرچم جائیں گے اور پھر نوبت اس تک بھی ضرور پہنچے گی۔ لہذا اس نے بہت سی فوجیں اور عظیم الشان لشکر روانہ کیا اور اپنے بھائی عز الدین مسعود ابن قطب الدین مودود کو پہلے بھیجدیا اور سب کے سب صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے چلے تاکہ اسے اپنے ملک میں گھسنے سے روکیں جب صلاح الدین کو یہ خبر پہنچی تو رجب سنہ مذکور کی پہلی تاریخ کو وہ بھی حمات کی جانب واپس آنے کے ارادہ سے حلب سے ہٹ گیا (راستہ میں) حمص کی جانب لوٹ گیا اور حمص کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور عز الدین مسعود حلب پہنچا اور وہاں سے اپنے چچا زاد بھائی ملک صالح کا لشکر بھی اپنے ساتھ لیا وہ اسوقت حلب کا حاکم تھا اور یہ کہ سب بڑی بھاری جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب صلاح الدین کو اُن کی روانگی کا علم ہوا تو وہ بھی روانہ ہوا اور حمات کی پہاڑیوں پر اُن سے آمنا سامنا ہوا۔ صلاح الدین نے اُن سے گفت و شنید کی اور کوشش کی کہ صلح ہو جائے مگر انھوں نے صلح نہ کی اور انھوں نے خیال کیا کہ صلاح الدین کے ساتھ معرکہ آرائی کر کے بہت سی مرتبہ ہم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔ حالانکہ دراصل قضاء الٰہی ان لوگوں کو اپنے ارادوں کی تکمیل کی جانب کھینچ کر لا رہی تھی اور ان کو پتہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ مقابلہ ہوا اور قضاء الٰہی سے (۱۱۰) وہ سب کے سب تنہا صلاح الدین کے مقابلہ پر پسپا ہوئے اور بہت سے لوگ ان میں سے گرفتار بھی ہوئے مگر صلاح الدین نے ان پر احسان کیا (اور چھوڑ دیا) یہ جنگ ۹ رمضان ۵۷۰ھ کو حمات کی پہاڑیوں کے پاس ہوئی۔ پھر صلاح الدین شکست خوردہ فوجوں کے تعاقب میں روانہ ہوا اور حلب پر آکر اُترا۔ یہ دوسرا معرکہ تھا۔ بالآخر انھوں نے معرۃ کفرطاب اور بارین لیکر صلح کر لی۔

جن دنوں میں یہ معرکہ پیش آیا انہی ایام میں سیف الدین غازی نے اپنے بھائی عماد الدین زنگی بادشاہ سنجار کا محاصرہ کر رکھا تھا اور سنجار اس سے چھین لینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ کیونکہ اس نے آپ کو صلاح الدین کی جانب منسوب کیا تھا۔ قریب تھا کہ سیف الدین سنجار لیلے لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ صلاح الدین کی مقابلہ میں اس کا لشکر پسپا ہو گیا تو اُسے خوف ہوا کہ عماد الدین کو یہ خبر پہنچے گی تو اس کا مقابلہ سخت ہو جائیگا اور دل قوی۔ لہذا سیف الدین نے اس سے گفت و شنید کی اور مصالحت کر لی اور پھر اسی وقت نصیبین کی جانب روانہ ہو گیا

اور فوجوں کی بھرتی اور اُن پر روپیہ خرچ کرنے میں منہمک ہوگیا اور (وہ فوجیں جمع کرکے) قلعہ بیرہ کیجانب روانہ ہوا دریائے فرات کو عبور کیا اور شامی ساحل پر خیمہ زن ہوا اور اپنے عمزاد بھائی ملک صالح بسر نورالدین بادشاہ حلب کے پاس پیام بھیجا تاکہ اس کے لیے ایسی بنیادیں مستحکم ہوجائیں جنسے وہ حلب پہنچ سکے (چنانچہ) اس کے بعد وہ حلب پہنچا ملک صالح اس سے ملنے کے لیے آیا۔ اور مدت تک حلب میں مقیم رہا اور حلب کے قلعہ پر تنہا چڑھا اور پھر وہاں سے اترا اور تل سلطان کی جانب روانہ ہوگیا۔ (میں کہتا ہوں تل سلطان قرون اور حماۃ کے درمیان ایک مقام ہی) ابن شداد نے بیان کیا کہ عماد الدین کے پاس لشکر بہت تھا۔ لہذا صلاح الدین نے مصری لشکر بلانے کے لیے مصر قاصد بھیجا چنانچہ مصری فوجیں آگئیں اور صلاح الدین ان کو لے کر روانہ ہوا اور قرون حماۃ پر اترا پھر (۱۱۱) جمعرات کے روز ۱۰ شوال ۵۷۱ھ کو صبح کے وقت دونوں فوجیں میدان میں صف آرا ہوئیں اور زبردست لڑائی ہوئی، صلاح الدین کا میسرۂ مظفر الدین ابن زین الدین کی وجہ سے پسپا ہوگیا۔ (میں کہتا ہوں یہ مظفر الدین اربل کا حاکم ہی اس کا ذکر پہلے آچکا ہی) ابن شداد نے بیان کیا کہ مظفر الدین سیف الدین کے میمنہ پر سردار تھا۔ (یہ دیکھ کر) صلاح الدین نے بذات خود حملہ کیا۔ مقابل کا لشکر صلاح الدین کے حملہ کی تاب نہ لا سکا اور پسپا ہوگیا۔ بڑے بڑے امرا اور اعیان سلطنت کی بھاری تعداد گرفتار کرلی۔ پھر ان پر احسان کیا اور آزاد کر دیا۔ سیف الدین حلب لوٹ آیا اور وہاں سے حلب کے تمام خزانے ہمراہ لے کر چلدیا یہاں تک کہ دریائے فرات کو عبور کیا اور اپنے ملک واپس چلا گیا۔ صلاح الدین نے شکست خوردہ فوج کا تعاقب کرنے سے روک دیا۔ اور دن کا باقی حصہ دشمنوں کے خیموں میں گزارا۔ کیونکہ وہ لوگ اپنا تمام سامان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ صلاح الدین نے دریا کی طرح منتشر کر دیئے اور تمام خزانے تقسیم کر دیئے۔ سیف الدین کا خیمہ اپنے بھتیجے عزالدین فرخ شاہ کو بخش دیا۔ (میں کہتا ہوں! یہ ابن شاہان شاہ ابن ایوب کا بیٹا ہی اور وہ تقی الدین عمر حاکم حماۃ کا بھائی ہی اور فرخ شاہ بعلبک کا حاکم اور ملک امجد بہرام شاہ حاکم حمص کا باپ ہی) ابن شداد نے بیان کیا کہ صلاح الدین منبج کی جانب روانہ ہوا۔ اور بلا مزاحمت اس پر قبضہ کرلیا۔ پھر قلعہ عزاز کیجانب روانہ ہوا۔ اور اس کا محاصرہ کرلیا یہ واقعہ ۴ ذی القعدہ ۵۷۱ھ کا ہی اس مقام پر اسماعیلیہ کے ایک گروہ نے صلاح الدین پر حملہ کیا۔ اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے بچا یا اور اُن حملہ آوروں پر قدرت دی۔ محاصرہ عزاز برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۱۴ ذی الحجہ سنہ مذکور کو اُسے لے لیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہوا۔ اور ۱۶ ذی الحجہ کو حلب کا محاصرہ کیا۔ زمانہ دراز تک حلب پر پڑا رہا۔ اس کے بعد وہاں سے واپس چلا آیا۔ (۱۱۲) نورالدین کی چھوٹی سی بچی کو صلاح الدین کے سامنے لائے اس نے قلعہ عزاز مانگا صلاح الدین نے دیدیا۔

منبج

۲۔ مصالحت ۵۷۲ھ سے ۵۷۶ھ تک

پھر صلاح الدین حلب سے مصر واپس ہوا تاکہ مصر کے حالات کی دیکھ بھال کرے۔ ربیع الاول ۵۷۲ھ کو صلاح الدین روانہ ہوا۔ صلاح الدین کا بھائی شمس الدین توران شاہ یمن سے اُس کے پاس آگیا تھا لہذا اس کو دمشق پر قائم مقام بنا دیا۔ پھر (عیسائیوں سے) جہاد کرنے کی تیاریاں کیں اور ساحل کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ رملہ پر آکر عیسائیوں سے آمنا سامنا ہوا۔ یہ واقعہ آغاز جمادی الاولیٰ ۵۷۳ھ میں پیش آیا اور اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی (اس شکست کے اسباب کی تشریح بہت طویل ہے) جب مسلمان میدان جنگ سے پسپا ہوئے تو ان کے گرد وپیش کوئی ایسا قلعہ نہ تھا جس میں پناہ لیں۔ لہذا وہ مصر کی جانب روانہ ہوئے مگر راستہ بھول گئے اور تتر بتر ہو گئے بہت سے لوگ قید بھی ہوئے فقیہ عیسےٰ ہکاری بھی انہی قیدیوں میں تھے یہ شکست عساکر اسلامیہ کے لیے بہت بڑا دھکا تھا۔ مگر اللہ پاک نے (۱۱۳) جنگ حطین کی فتح سے اس کی مکافات کر دی۔

باقی رہا ملک صالح حاکم حلب سو اس کا حال بہت زیادہ دگرگوں ہو گیا۔ اس نے اپنے مدار المہام گمشتگین کو گرفتار کر لیا اور حارم سپرد کرنے کا مطالبہ کیا وہ نہ مانا لہذا ملک صالح نے اُسے قتل کر دیا۔ عیسائیوں کو جب اس کے قتل کا علم ہوا تو انھوں نے حارم پر قبضہ کرنے کی طمع میں قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ واقعہ ۵۷۳ھ کا ہے قلعہ والوں نے جب عیسائیوں کی جانب سے خطرہ محسوس کیا۔ تو انھوں نے آخر عشرہ رمضان المبارک سنہ مذکور میں حارم ملک صالح کے سپرد کر دیا۔ لہذا عیسائی فوجیں وہاں سے واپس چلی گئیں۔ صلاح الدین اس وقت تک مصر میں مقیم رہا کہ اُس نے اپنی اور اپنے رفقاء کی اس شکستہ حالی کو درست کر لیا۔ جو رملہ کی ہزیمت سے ہوئی تھی۔ پھر اس کو شام کی بدامنی کی خبر پہنچی لہذا اس نے شام واپس آنیکا ارادہ کیا۔ اور جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ اسی دوران میں قلیج ارسلان شاہ روم کا قاصد پہنچا۔ صلح کی درخواست کی اور ارمنیوں سے اپنے لیے مضرت کا خطرہ ظاہر کیا۔ لہذا صلاح الدین نے ابن لاؤن کے مقابلہ کا ارادہ کیا (یعنی بلاد سیس ساحلی (۱۱۴) جانب سے حلب اور روم کے درمیان حد فاصل ہیں) تاکہ قلیج ارسلان کی امداد کرے چنانچہ خود بھی اس طرف روانہ ہوا اور حلب کی فوجوں کو بھی بلا لیا۔ اس لیے کہ صلح میں یہ طے ہوا تھا کہ جب صلاح الدین حلبی فوجوں کو بلائے گا تو وہ حاضر ہوں گی۔ اور ابن لاؤن کے حدود میں داخل ہوا راستہ میں ایک قلعہ تھا اس پر قبضہ کیا۔ اور (سیاسی مصالح کی بناء پر) اسے ویران کر دیا۔ (یہ حالات دیکھ کر) وہ لوگ صلح کے لیے آمادہ ہو گئے لہذا اُن سے صلح کر لی اور واپس آگیا۔ اس کے بعد قلیج ارسلان نے تمام شرقی علاقہ کی جانب

سے صلح کی درخواست کی صلاح الدین نے اُسے منظور کرلیا اور ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۵۷۶ھ میں صلاح الدین نے عہدنامے پر دستخط کردیئے اس صلح میں قلیج ارسلان اور موصل والے بھی شامل تھے۔ صلح کی تکمیل کے بعد دمشق آیا اور وہاں سے مصر واپس آگیا۔

۳۔ فتح جزیرہ ۵۷۶ھ سے ۵۷۹ھ تک

پھر ملک صالح پسر نورالدین نے اسی تاریخ کو جو اس کے باپ کے حالات میں ہم نے بیان کی ہے وفات پائی ملک صالح نے (وفات سے پہلے) تمام رؤسائے حلب اور (امراء) عساکر سے اپنے چچا زاد بھائی عزالدین مسعود بادشاہ موصل کے لیے حلف لے لیا تھا۔ (میں) اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے ملک صالح کے چچا قطب الدین مودود کا بیٹا ہے جب سیف الدین کا مذکورۂ سابق (۵۷۶ھ) تاریخ میں انتقال ہوا (۱۱۵) تو اس کی جگہ اس کا بھائی عزالدین مسعود جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے قائم مقام ہوگیا تھا۔) لہذا جب عزالدین کو ملک صالح کی وفات کی خبر پہنچی اور یہ کہ صالح نے اس کے لیے حلب میں حلف لے لیا ہے تو اس نے حلب پہنچنے میں بہت زیادہ جلدی کی اس خوف سے کہ کہیں صلاح الدین اس سے پہلے پہنچکر قبضہ نہ کرلے مگر سب سے پہلا شخص جو حلب میں آیا وہ مظفرالدین پسر زین الدین تھا۔ (میں) یہ اربل کا بادشاہ ہے اس زمانہ میں یہ حرّان کا بادشاہ تھا۔ اور امراء موصل کی جانب منسوب تھا۔ کیونکہ یہ تمام علاقہ انہی کے قبضہ میں تھا) ابن شداد نے بیان کیا کہ مظفرالدین ۳ شعبان ۵۷۷ھ میں پہنچا اور اسی ماہ کی بیس تاریخ کو عزالدین مسعود بھی پہنچا اور قلعہ پر چڑھ گیا اور تمام حاصلات (آمدنیوں) پر قبضہ کرلیا اور ملک صالح کی والدہ سے ۵ر شوال کو شادی کرلی (میں) اس کے بعد ہمارے استاذ ابن شداد نے وہی تمام باتیں بیان کی ہیں۔ جو میں عزالدین مسعود پسر مودود کے اور اس کے بعد عمادالدین زنگی اور تاج الملوک بوری برادر صلاح الدین کے حالات میں بیان کرچکا ہوں لہذا ان کو اب یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں جو کوئی ان امور کو معلوم کرنا چاہے اُسے مذکورہ بالا تراجم کی جانب مراجعت کرنی چاہیے) میں! خلاصہ یہ ہے کہ عزالدین مسعود نے اپنے بھائی عمادالدین زنگی بادشاہ سنجار سے حلب کا تبادلہ سنجار سے کرلیا اور خود حلب سے روانہ ہوگیا اور عمادالدین زنگی حلب میں آگیا۔ لہذا صلاح الدین اس کے مقابلہ پر اُترا اور محاصرہ کرلیا۔ عمادالدین حلب کو صلاح الدین سے نہ بچا سکا اور صلاح الدین حلب میں ۲۶ر محرم ۵۷۹ھ میں داخل ہوگیا۔ (۱۱۶) ابن شداد کا بیان ہے کہ ۱۶ر محرم کو آیا۔ واللہ اعلم) لہذا عمادالدین نے امیر حسام الدین طمان غازی سے خفیہ طور پر مشورہ کیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ طمان نے مشورہ دیا کہ تم صلاح الدین سے کوئی اور حصہ ملک لے لو اور حلب اس کے سپرد کردو۔ اس شرط پر کہ تمام اموال تمہارے ہوں۔ عمادالدین نے کہا میرا بھی یہی خیال تھا اس کے بعد حسام الدین

طمان شرائط صلح پر گفتگو کرنے کے لیے خفیہ طور پر صلاح الدین سے ملا۔ صلاح الدین نے تمام شرطیں منظور کر لیں اور سنجار، خابور، نصیبین اور سروج اسے دیدیئے اور سفارت کے فرائض انجام دینے کی وجہ سے طمان کو رقہ دیدیا۔ صلاح الدین نے ۱۷ صفر سنہ مذکور کو یہ معاہدہ کیا۔ صلاح الدین سنجار پر (اس سے پہلے بھی اترا تھا اور ۸ رمضان ۵۷۸ھ میں اس پر قبضہ کر لیا تھا اور اپنے بھتیجے تقی الدین عمر کو دیدیا تھا لیکن جب ان شرائط پر صلح ہوئی تو وہ عماد الدین کو دیدیا) اور صلاح الدین نے قلعہ حلب پر قبضہ کر لیا اور پیر کے روز ۲۷ صفر ۵۷۹ھ کو قلعہ پر چڑھا اور رجب تک وہاں کے تمام معاملات طے نہ کر لیے وہیں ٹھہرا رہا۔ پھر ۲۲ ربیع الثانیہ سنہ مذکور کو وہاں سے کوچ کیا اور اپنے بیٹے ملک ظاہر کو جس کے حالات میں مستقل عنوان کے ماتحت پہلے بیان کر چکا ہوں اور جو ابھی لڑکا ہی تھا۔ وہاں کا حاکم مقرر کر دیا اور قلعہ کا حاکم سیف الدین یازکوج اسدی کو بنا دیا وہی اس کے بیٹے کے تمام امور انجام دیتا تھا۔

۴ صلاح الدین دمشق میں ۵۷۹ھ سے ۵۸۲ھ تک

(۱۱۷) پھر صلاح الدین مذکورہ بالا تاریخ میں دمشق کی جانب روانہ ہوا ابن شداد فرماتے ہیں اور ۳ رجب ۵۷۹ھ کو کرک کے محاصرہ کے ارادہ سے دمشق سے روانہ ہوا اور اپنے بھائی ملک عادل کے پاس جو مصر میں تھا قاصد بھیجا اور اس کو بلایا تاکہ کرک کے محاصرہ میں وہ اس کے ساتھ شریک ہو چنانچہ ملک عادل بہت بڑی جماعت اور لشکر جرار کے ساتھ مصر سے روانہ ہوا اور ۴ شعبان ۵۷۹ھ کو کرک کے محاصرہ میں صلاح الدین کے ساتھ شریک ہوا جب عیسائیوں کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے بھی فوجیں جمع کیں اور کرک آئے تاکہ مسلمانوں کے لشکر پر بالائی جانب سے حملہ کریں اب صلاح الدین کو مصر کا اندیشہ ہوا لہذا اپنے برادرزادہ تقی الدین عمر کو وہاں بھیجا اور ۱۶ شعبان سنہ مذکور کو کرک سے خود بھی واپس ہو گیا اور اپنے بھائی ملک عادل کو بھی ہمراہ لے گیا اور ۲۴ شعبان سنہ مذکور کو دمشق میں داخل ہوا اور حلب اس کو دے دیا۔ چنانچہ جمعہ کے روز ۲۲ رمضان سنہ مذکور میں عادل حلب کے اندر داخل ہوا۔ ملک ظاہر اور یازکوج دونوں حلب سے چلے آئے اور پیر کے روز ۲۸ شوال سنہ مذکور کو دمشق پہنچے ملک ظاہر اپنے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے صلاح الدین کو تمام اولاد میں سب سے زیادہ محبوب تھا حلب صرف مصلحت وقت کی وجہ سے اس سے لے لیا تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملک عادل نے صلاح الدین کو حلب کے بدلے میں تین لاکھ دینار جہاد کی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے دیئے تھے۔ واللہ اعلم۔

پھر صلاح الدین نے ملک عادل کی واپسی (۱۱۸) مصر کی جانب اور ملک ظاہر کی واپسی حلب میں مناسب

سمجھی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا باعث ذیل کا واقعہ ہے علم الدین سلیمان بن جیدر اور سلطان صلاح الدین میں اس ملکی فتوحات سے پیشتر دوستانہ تعلقات اور انسیت و محبت تھی ایک روز اتفاق سے صلاح الدین کے ساتھ جا رہا تھا۔ یہ حلب کے امراء میں سے تھا ملک عادل اس کے ساتھ بے انصافی کرتا تھا دوسرے لوگوں کو اس کے مقابلہ پر ترجیح دیتا تھا اور اس زمانہ میں صلاح الدین موصل کے حصار میں بیمار پڑ گیا اور حران لایا گیا یہاں حالت نازک ہوگئی مرنے کے قریب ہوگیا۔ (مگر اللہ پاک نے شفا دی) جب صلاح الدین کو آرام ہوگیا تو پھر شام واپس ہوا راستہ میں علم الدین بھی ساتھ ہوگیا۔ اور صلاح الدین اپنی اولاد میں سے ہر ایک کے لیے ایک حصہ ملک کی وصیت کر چکا تھا تو اس وقت علم الدین نے کہا کس اعتماد پر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمھاری وصیت پوری کی جائیگی؟ تم نے تو یہ سمجھا ہے کہ گویا تم شکار میں جاتے ہو، لوٹ کر آؤ گے اس لیے لوگ تمھاری مخالفت نہ کریں گے۔ تمھیں شرم نہیں آتی کہ ایک پرندہ تم سے زیادہ اپنی مصلحت سمجھتا ہے"۔ صلاح الدین نے ہنستے ہوئے کہا کہ کیسے علم الدین نے کہا جب پرندہ اپنے بچوں کے لیے گھونسلہ بناتا ہے تو ان کی حفاظت کی خاطر درخت کی اونچی اونچی ٹہنیوں کا قصد کرتا ہے۔ تم نے تمام مستحکم قلعے تو اپنے رشتہ داروں کے سپرد کر دیئے اور اپنی اولاد کو کھلے ہوئے میدانوں میں ڈال دیا۔ یہ حلب جو تمام ملک کا مرکزی مقام ہے تمھارے بھائی کے قبضہ میں ہے اور حماۃ بھتیجے کے ہاتھ میں ہے اور حمص اسد الدین کے بیٹے کے قبضہ میں ہے اور خود تمھارا بیٹا افضل تقی الدین کے ساتھ مصر میں ہے جب چاہے کان پکڑ کے نکال دے اور دوسرا بیٹا تمھارے بھائی کے ہمراہ ایک خیمہ میں ہے وہ اس کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے۔ صلاح الدین نے کہا واقعی تو سچ کہتا ہے مگر اس کا اظہار کسی سے نہ کرنا اس کے بعد حلب اپنے بھائی سے لے لیا اور ملک ظاہر کو دیدیا اور ملک عادل کو حران، رہا اور میا فارقین دیدئے تاکہ شام سے اُسے بالکل الگ کر دے اور تمام شام کے علاقے اپنی اولاد کے لیے رہنے دے اس بنا پر جو کچھ ہوا سو ہوا۔

(۱۱۹) میں اعز الدین مسعود ابن قطب الدین مودود بادشاہ موصل کے حالات میں ایک مستقل باب گذرا ہے جس میں صلاح الدین کے موصل پر حملہ کرنے اور تین مرتبہ محاصرہ کرنے کے باوجود فتح نہ کر سکنے کا حال مفصل بیان کیا گیا ہے۔

شیخ ابن اثیر اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ صلاح الدین نے تیسری مرتبہ موصل پر حملہ کیا سردی کا زمانہ تھا اس نے اس مرتبہ وہاں قیام کرنے اور موصل کو تقسیم کر دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا یہ حملہ شعبان ۵۸۱ھ میں ہوا تمام شعبان اور رمضان وہیں مقیم رہا حاکم موصل اور صلاح الدین کے مابین صلح کی گفت و شنید ہوئی اور طرفین سے قاصد آئے گئے۔ اس اثناء میں صلاح الدین بیمار پڑ گیا اور حران واپس چلا آیا۔ راستہ ہی میں قاصد مطالبات کی منظوری کا پیام لیکر پہنچا اور صلح اس پر مکمل ہوئی کہ شاہ موصل شہر زور اور اس کے

متعلق علاقہ جات صوبہ قالی قلا اور زاب کے اس جانب کے علاقے صلاح الدین کو دیدے اور اس کے نام کا خطبہ منبروں پر پڑھایا جائے سکہ پر بھی اس کا نام ہو۔ جب معاہدہ مکمل ہوگیا تو صلاح الدین نے اپنے عمال روانہ کیے اور ان شہروں پر قبضہ کرلیا جن کے سپرد کرنے پر صلح ہوئی تھی (۱۲۰) حرّان میں صلاح الدین کا مرض بڑھ گیا اور بہت خطرناک حالت ہوگئی۔ یہاں تک کہ لوگ اس کی زندگی سے بھی مایوس ہوگئے تب صلاح الدین نے اپنی اولاد کے لیے لوگوں سے عہد لیے اس وقت صلاح الدین کے پاس اس کی اولاد میں سے صرف ملک عزیز عماد الدین عثمان تھا اور ملک عادل اس کا بھائی حلب سے آگیا تھا اس زمانہ میں عادل حلب کا بادشاہ تھا۔ صلاح الدین نے اپنی اولاد میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک حصۂ ملک مقرر کیا اور ملک عادل کو سب پر وصی (وصیتوں کا نافذ کرنیوالا) بنا دیا مگر اس کے بعد صلاح الدین کو آرام ہوگیا۔ اور محرم ۵۸۲ھ میں وہ دمشق واپس آگیا جس زمانہ میں صلاح الدین حرّان میں بیمار تھا اس وقت اس کا چچا زاد بھائی ناصر الدین محمد اس کے پاس موجود تھا حمص اور رحبہ اس کو جاگیر میں ملے لہذا وہ صلاح الدین کے پاس سے حمص کی جانب روانہ ہوا راستہ میں حلب سے گذرا نوجوانوں کی ایک جماعت سے اس نے ملاقات کی اور ان کو بہت سا مال و دولت دیا اس شرط پر کہ صلاح الدین کی وفات کے بعد دمشق اس کے سپرد کردیں۔ صلاح الدین تو تندرست ہوگیا مگر تھوڑے سے عرصہ بعد ہی یعنی اسی سال عید الاضحٰی کی شب میں ناصر الدین کا انتقال ہوگیا۔ رات کو حد سے زیادہ پی لی اور صبح ہوتے ہوتے مرگیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خود صلاح الدین نے اس پر ایک آدمی مقرر کردیا تھا وہ اس کے پاس آیا اور ہمنشیں بن گیا اور (موقع پاکر شراب میں) زہر پلا دیا۔ جب اگلا دن ہوا تو وہ شخص نظر نہ آیا (۱۲۱) ناصح بن عمید اس کو کہتے تھے۔ لوگوں نے اس کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسی رات کو چلا گیا۔ اس واقعہ نے اور بھی گمان قوی کردیا واللہ اعلم۔

ناصر الدین کی جب وفات ہوئی تو اس نے اپنی جاگیر اپنے بیٹے شیرکوہ کو دیدی اس کی عمر ابھی ۱۲ سال ہی تھی ناصر الدین نے بہت کافی نقد اموال اور جانور اور سامان اپنے ترکہ میں چھوڑا تھا صلاح الدین حمص آیا اور اس کے تمام اموال متروکہ اپنے سامنے منگوائے اکثر حصہ اس میں سے لے لیا اور بیکار و بے فائدہ چیزیں چھوڑ دیں۔

شیخ ابن اثیر نے یہ تمام قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شیرکوہ اپنے باپ کے مرنے کے ایک سال بعد صلاح الدین کے پاس آیا۔ صلاح الدین نے اس سے پوچھا تم نے قرآن شریف کہاں تک پڑھا ہے لڑکے نے جواب دیا اس آیت تک " جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ

بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے" حاضرین اور صلاح الدین اس لڑکے کی ذکاوت سے حیران رہ گئے باقی اس واقعہ کی صحت کو خدا بہتر جانتا ہے۔

(۱۲۲) ابن شداد فرماتے ہیں کہ جب صلاح الدین بیماری اور صحتیابی کے بعد دمشق پہنچا تو اس نے اپنے بھائی ملک عادل کو بلانے کے لیے قاصد بھیجا۔ ملک عادل ۲۷ ماہ ربیع الاول ۵۸۲ھ کو تن تنہا حلب سے روانہ ہوا اور دمشق آیا اور سلطان کے پاس قیام کیا اور جمادی الثانیہ تک ان دونوں کے درمیان تبادلہ خیالات و رد و قدح اور شرائط صلح کی تجویز کا سلسلہ جاری رہا آخر یہ طے پایا کہ ملک صالح مصر واپس جائے اور حلب اس سے واپس لے لیا گیا اور ملک ظاہر حلب کی جانب روانہ ہو گیا اور ہفتہ کے روز ۵۸۲ھ میں وہ قلعہ کے اندر داخل ہوا۔

ملک ظاہر کے حالات میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ حلب کا بادشاہ ہو کر اسی دن آیا تھا جس دن اس کی وفات ہوئی تھی میں نے تاریخ اور دن بھی لکھا ہے۔ میں نے (اپنی یادداشت میں) ایسا ہی لکھا ہوا پایا یہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کہاں سے نقل کیا۔

سلطان نے اپنے چھوٹے بیٹے ملک العزیز کو عادل کے سپرد کیا اور اس کو اس کا مربی (اتالیق) بنا دیا

(۱۲۳) ابن شداد کہتے ہیں کہ ملک عادل نے خود مجھ سے بیان کیا کہ جب یہ صلح مکمل ہو گئی تو ایک روز میں ملک العزیز اور ملک ظاہر دونوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان دونوں کے درمیان میں بیٹھا اور ملک العزیز سے میں نے کہا۔ جناب آقا! سلطان نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے ہمراہ مصر جاؤں اور میں جانتا ہوں کہ باتیں لگانے والے بہت سے ہیں اور لازمی طور پر میری طرف سے ایسی باتیں کہی جائیں گی جو درست نہ ہوں گی اور لوگ آپ کو مجھ سے ڈرائیں گے پس اگر آپ کا ارادہ یہ ہے کہ آپ ان کی باتیں سنوں یا ان کی رائے پر اعتماد کریں۔ اس کے بعد میں نے ملک ظاہر کی جانب رخ کیا اور اس سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تیرا بھائی میرے متعلق لگانیوالوں کی باتیں سنے گا اور میرے لیے تو بس تو ہی ہے۔ جب میرا دل اس سے تنگ ہوگا تو میں تیری جانب سے منبج پر قناعت کروں گا۔ تو اس نے کہا بہت مبارک خیال ہے" اور میرے حق میں کلمات خیر کہے۔ سلطان نے اپنے بیٹے ملک الظاہر کی شادی اس کے چچا ملک عادل کی بیٹی غازیہ خاتون سے کر دی اور بدھ کے روز ۲۶ رمضان المبارک کو شب زفاف ہوئی۔

تیسرا باب (غزوات)

صلاح الدین مجاہد اعظم ۵۸۳ھ سے ۵۸۶ھ تک

۱۔ جنگ حطین ۵۸۳ھ

پھر حطین کی جنگ جو مسلمانوں کے لیے خیر و برکت کا باعث تھی پیش آئی۔ ہفتہ کے روز ۲۴ ربیع الثانی ۵۸۳ھ میں یہ جنگ ہوئی۔ جمعہ کے روز دوپہر سے شروع ہوئی تھی (۱۲۵) صلاح الدین کا طریقہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی دعاؤں اور منبروں کے خطبوں سے برکت حاصل کرنے کے لیے اکثر اوقات جمعہ کی نماز کے بعد جنگ شروع کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اسی وقت ان تمام جمع شدہ اسلامی فوجوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا جن کی تعداد شمار اور گنتی سے باہر تھی اور بہترین سلیقہ کے ساتھ ترتیب یافتہ اور شان و شوکت کے ساتھ آراستہ تھیں۔ صلاح الدین کو معلوم ہوا تھا کہ دشمن اسلامی فوجوں کے اجتماع کی خبر سُنکر عکّا کے علاقہ میں صفوریہ کے سبزہ زاروں میں بہت بڑی جمعیت کیساتھ اُترا ہوا ہے۔ لہذا صلاح الدین روانہ ہوا۔ اور بحیرۂ طبریہ کے علاقہ میں ایک پہاڑ کی بلندی پر جا کر اترا اور منتظر تھا کہ جب عیسائیوں کو اس کے یہاں پہنچنے کی خبر ہوگی تو وہ اس کی جانب بڑھیں گے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور مورچوں سے نہ نکلے اسلامی فوجیں مذکورۂ بالا مقام میں بدھ کے روز ۲۱ ربیع الثانی ۵۸۳ھ کو اُتری تھیں جب صلاح الدین نے دیکھا کہ عیسائی اپنی جگہ سے نہیں ہلتے تو فوج کا ایک دستہ ہمراہ لے کر تنہا طبریہ پر آیا اور باقی افواج کو بدستور دشمن کے مقابل رہنے دیا اور طبریہ پر دھاوا بول دیا اچانک جا پڑا اور ذرا سی دیر میں قبضہ کر لیا۔ فوجیوں نے تمام سامان لوٹ لیا اور قتل کرنا قید کرنا آگ لگانا شروع کر دیا صرف قلعہ طبریہ باشندوں سمیت بچا رہا جب دشمنوں کو خبر پہنچی کہ طبریہ پر کیا بیتی تو انکو بہت زیادہ رنج و قلق ہوا اور پھر اُس طرف روانہ ہوئے سلطان کو بھی اس کی خبر پہنچی لہذا طبریہ کے محاصرہ پر کچھ فوجیں چھوڑ کر (۱۲۶) لشکر سے آملا اور طبریہ کے مغربی پہاڑ کے دامن میں دشمن سے مقابلہ ہوا۔ جمعرات کے روز ۲۲ ربیع الثانی کا یہ واقعہ ہے (تمام دن لڑائی ہوتی رہی) پردۂ شب دونوں لشکروں کے درمیان حائل ہوگیا۔ لہذا دونوں لشکروں نے جمعہ ۲۳ ربیع الثانی کی صبح تک اپنے اپنے مورچوں پر رات بسر کی دونوں لشکر پھر سوار ہوئے اور مقابلہ ہوا گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور صورت حال بہت سخت ہوگئی یہ معرکہ لوبیا نامی ایک گاؤں کے میدان میں ہوا دشمنوں پر عرصہ حیات تنگ ہوگیا اور وہ میدان جنگ کی جانب اس طرح بڑھ رہے تھے کہ گویا اُن کو دیدہ و دانستہ

موت کی قربانگاہ پر لیجایا جا رہا ہے ان کو اپنی تباہی و بربادی کا کامل یقین ہو گیا تھا اور ان کے نفوس محسوس کر چکے تھے کہ وہ آج کے بعد جو صبح آئے گی اس میں قبر کا مونھ دیکھنے والوں میں سے ہوں گے۔ لڑائی کے شعلے برابر بھڑک رہے تھے اور ہر سوار اپنے مقابل سوار سے ٹکرا رہا تھا اب اس کے سوا اور کچھ باقی نہ تھا کہ مسلمان فتح و نصرت کے پرچم اڑائیں اور کفار تباہی و بربادی کا مونھ دیکھیں کہ اس حالت میں پردہ پوش رات کی تاریکی نے دشمنوں کی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا اور ہر فریق نے اپنی اپنی جگہ رات بسر کی مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ان کے پیچھے اردن ہے اور سامنے دشمن کا ملک اور جان توڑ کر لڑنے کے سوا اور کوئی چیز انھیں نجات نہیں دلا سکتی لہٰذا مسلمانوں کے دستے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور قلب لشکر نے بھی ایک زبردست حملہ کیا اور ایک ساتھ سب نے بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اللہ پاک نے کافروں کے دل میں خوف و ہراس ڈالدیا" ایمانداروں کی نصرت کا اللہ پاک نے وعدہ فرمایا تھا" جب قومس کو شکست ہوتی نظر آئی تو شروع ہی میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگا اور صور کا راستہ لیا مسلمانوں کے ایک دستہ نے اس کا تعاقب کیا مگر وہ ان کے ہاتھ سے بچ گیا اور اللہ نے اس کے شر سے بچایا۔ مسلمانوں نے ہر جانب سے کفار کو گھیر لیا اور (۱۲۷) تیروں کی بوچھار شروع کردی تلواروں کو ان کے سروں پر مسلط کر دیا اور موت کے جام خوب بھر بھر کے انکو پلائے۔ آخر ان کے ایک دستہ کے پیر اکھڑ گئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا ایک شخص بھی ان میں سے نہ بچا۔ ایک گروہ نے ایک ٹیلہ کی پناہ لی جس کا نام "تل حطین" تھا یہ حطین ایک بستی ہے جسکے پاس شعیب علیہ السلام کی قبر ہے۔ مسلمانوں نے اس پناہ گزین گروہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور چاروں طرف سے آگ لگا دی سخت پیاس کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور حالت بہت نازک ہو گئی یہاں تک کہ قریب تھا کہ پیاس کی تکلیف سے ہلاک ہونے کے خوف سے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیں آخر ان کے بڑے بڑے سردار گرفتار اور باقی قتل ہو گئے۔ گرفتار شدہ سرداروں میں بادشاہ تھا اور اس کا بھائی جفری، کرک و شوبک کا حاکم پرنس ارناط، ابن النفری، بادشاہ طبریہ کا بیٹا اور رئیس الاستبال رسول سرجن)

و رئیس ہمو رمزنی، جبیل کا بادشاہ

ابن شداد کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک قابل اعتماد آدمی نے بیان کیا کہ میں نے حوران میں ایک شخص کو دیکھا اس کے ہمراہ کچھ اوپر تیس قیدی تھے (۱۲۸) جن کو اس نے غایت درجہ ذلیل و خوار ہونیکی وجہ سے خیمہ کی طنابوں سے باندھ رکھا تھا۔ پھر قومس جو شروع میں بھاگ گیا تھا طرابلس پہنچا اور نمونیہ میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

باقی رئیس الاستبال اور رئیس کو ہمیشہ کو سلطان نے قتل کر دیا اور جو ان کے ساتھیوں میں سے زندہ رہ گئے تھے ان کو بھی قتل کر دیا۔ پرنس ارناط کے بارے میں سلطان نے منت مانی تھی کہ اگر وہ ہاتھ آگیا تو اپنے ہاتھ سے

قتل کرے گا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ صلح کے زمانہ میں مصری باشندوں کا ایک گروہ شوبک کے نزدیک اس کے علاقہ سے گذرا اس نے ان کے ساتھ غداری کی اور انھیں قتل کردیا۔ انھوں نے اُسے اُس معاہدہ کا بھی واسطہ دیا جو اس کے اور مسلمانوں کے درمیان ہوا تھا۔ مگر اس پر اُس نے ایسی باتیں کہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین تھی۔ سلطان کو اس کی خبر پہنچی اس کی غیرت اور دیانتداری نے اسے اس پر آمادہ کیا کہ اس نے اس کا خون حلال کردیا جب اللہ پاک نے اپنی نصرت و اعانت سے سلطان کو فتح عطا فرمائی تو وہ خیمہ کی دہلیز پر بیٹھ گیا کیونکہ ابھی خیمہ نصب نہیں ہوا تھا۔ ور قیدی اس کے سامنے پیش کیے گئے لوگ اپنے اپنے قیدیوں کو پیش کرکے سلطان کی خوشنودی حاصل کرتے تھے۔ سلطان اس فتح و ظفر پر جو خدا نے اس کے زیر قیادت مسلمانوں کو عطا فرمائی تھی شاداں و فرحاں تھا اتنے میں خیمہ بھی نصب ہوگیا تو اللہ پاک کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خیمہ میں آکر بیٹھا اور بادشاہ اور اسکے بھائی جفری .... اور پرنس ارناط کو بلوایا۔ سلطان نے جفری کے بھائی بادشاہ کو شربت اور برف کا ایک گلاس دیا وہ فوراً پی گیا کیونکہ سخت پیاسا تھا اس کے بعد وہ گلاس بادشاہ نے پرنس کو دیا۔ سلطان نے ترجمان سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ پرنس کو تو نے پلایا ہے (میں نے تو تجھے دیا تھا۔) (۱۲۹) عرب کی پسندیدہ عادات اور شریف اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی قیدی جب قید کرنے والے کے مال سے کچھ کھالے یا پی لے تو امن میں آجاتا ہے۔ سلطان کا مقصد اس تنبیہ سے یہی تھا اسکے بعد نھیں ایک مقررہ جگہ لے جانے کا حکم دیا۔ ملازمین انھیں وہاں لے گئے کچھ تھوڑا بہت انھوں نے کھایا اور پھر اُن کو واپس لے آئے اور بجز چند خادموں کے اور سب چلے گئے۔ تو پھر اُن کو بلوایا اور بادشاہ کو خیمہ کی دہلیز پر بٹھایا اور پرنس ارناط کو بلوایا اور سامنے کھڑا کرکے کہا آگاہ ہو اب میں تجھ سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں اس کے بعد اسلام کی دعوت دی۔ مگر اُس نے اسلام قبول نہ کیا سلطان نے تلوار سونت کر ماری تو ایک مونڈھا لٹک گیا حاضرین نے بالکل ہی خاتمہ کردیا۔ اُس کی نعش کو خیمہ سے باہر نکال کر دروازہ پر پھینکدیا گیا۔ جب بادشاہ برادر جفری نے پرنس ارناط کا یہ حال دیکھا تو اُسے یقین ہوگیا کہ اس کے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ مگر سلطان نے اُسے بلوایا اور دلاسا دیا کہ بادشاہوں کا قتل کرنا بادشاہوں کا شیوہ نہیں باقی پرنس ارناط نے تو حد سے باہر قدم رکھا تھا اور انبیا کی شان میں گستاخی کی تھی (لہٰذا اس کی سزا دی گئی۔)

یہ رات مسلمانوں نے کامل سرور و شادمانی میں گذاری اللہ کی حمد و ثنا اور شکر اور تہلیل و تکبیر کی آوازیں تمام رات بلند ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

فتح بیت المقدس ۵۸۳ھ

پھر اتوار کے روز ۲۲ ربیع الثانی کو سلطان طبریہ پر اُترا اور اسی روز قلعہ پر قبضہ کرلیا (۱۳۰) اور منگل تک وہاں رہا اس کے بعد عکّا کے ارادہ سے کوچ کیا بدھ کے روز ربیع الثانی کی آخری تاریخ کو عکّا پر اُترا اور جمعرات کے روز یکم جمادی الاولیٰ ۵۸۳ھ کو لڑائی ہوئی اور اُسی روز قلعہ پر قبضہ کرلیا جس قدر مسلمان وہاں قید تھے انھیں چھڑایا چار سو سے زیادہ قیدی تھے جس قدر خزانے تجارتی اموال اور سامان قلعہ میں تھا سب پر قبضہ کرلیا کیونکہ عکّا بہت بڑا تجارتی مرکز تھا اسلامی فوجیں تمام ساحلی شہروں میں پھیل گئیں تمام قلعے محل اور مستحکم مقامات لے لیے نابلس، حیفا، ناصریہ، صفوریہ اور ناصرہ وغیرہ قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ یہ تمام قلعے جنگجو مردوں سے خالی تھے کیونکہ قتل اور قید کی گرم بازاری نے اکثر لوگوں کو برباد کردیا تھا۔

جب عکّا کے انتظامات درست ہوگئے تمام اموال اور قیدی تقسیم کردیئے گئے تبنین کے لیے روانہ ہوا اتوار کے روز ۱۱ جمادی الاولیٰ کو وہاں پہنچا یہ بہت مضبوط قلعہ تھا منجنیق لگا دیئے اور چاروں طرف سے نرغہ کرکے قلعہ والوں کا ناک میں دم کردیا۔ وہاں جنگ آزما لوگ بہت تھوڑے تھے مگر اپنے مذہب میں بڑے پکے تھے اس لیے بہت سخت لڑائی ہوئی اللہ پاک نے مسلمانوں کی اعانت فرمائی اتوار کے روز ۱۸ تاریخ کو بزورِ شمشیر قلعہ لے لیا اور جو لوگ قتل سے بچ گئے تھے انھیں قید کرلیا۔ پھر وہاں سے صیدا کی جانب روانہ ہوا۔ صیدا پر اُترا اور جس روز وہاں پہنچا تھا اسی روز یعنی بدھ کے روز ۲۱ جمادی الاولیٰ کو اس پر قبضہ کرلیا اور وہاں کے انتظامات درست کرنے تک وہاں ٹھہرا پھر وہاں سے روانہ ہوکر بیروت آیا (۱۳۱) جمعرات کی شب میں ۲۲ جمادی الاولیٰ کو قلعہ بیروت پر اُترا، منجنیق چڑھا دیئے اور لگاتار حملے اور لڑائیاں ہوتی رہیں یہاں تک کہ اسی ماہ کی ۲۹ تاریخ جمعرات کے روز بیروت لے لیا۔ سلطان کے ساتھیوں نے جبیل بھی لے لیا۔ یہ بیروت کے قریب واقع ہے جب اس جانب سے اطمینان ہوگیا تو عسقلان کا رخ کرنا بہتر سمجھا اور عسقلان پر اُترنے کے بعد صور کے محاصرہ میں مشغول ہونا مناسب نہ جانا پھر سلطان کو معلوم ہوا کہ تمام اسلامی لشکر ساحلی شہروں میں منتشر ہوگیا ہے اور ہر شخص اپنے فائدہ کی فکر میں ہے اور متواتر حملوں اور مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے ان کے بھی دانت کھٹے ہوگئے تھے اور جس قدر عیسائی فوجیں ساحلی لڑائیوں میں بچ گئیں تھیں وہ سب صور میں جمع ہوگئیں تھیں ان وجوہات کی بنا پر عسقلان کا قصد کرنا ہی بہتر سمجھا کیونکہ وہ صور سے سہل ہے چنانچہ حضور عسقلان آیا اور ۱۶ جمادی الثانیہ سنہ مذکور کو وہاں اترا عسقلان کے راستہ میں بہت سے مقامات مثلاً رملہ اور داروں وغیرہ پر قبضہ کرلیا عسقلان پر منجنیق لگادی اور بہت سخت لڑائی ہوئی آخر ہفتہ کے روز آخری تاریخ جمادی الثانیہ کو عسقلان لے لیا

سلطان عسقلان میں ٹھہرا یہاں تک کہ اس کے ساتھیوں نے غزہ، بیت جبریل اور نطرون بغیر جنگ کے لے لیے
(۱۳۲) عسقلان کے فتح ہونے اور پھر عیسائیوں کے قبضہ میں چلے جانے کے درمیان پینتیس سال کا فصل
تھا کیونکہ عیسائیوں نے ۲۷ جمادی الثانیہ ۵۴۸ھ کو مسلمانوں سے عسقلان واپس لے لیا۔ شیخ ابن شداد نے
سیرت میں اسی طرح بیان کیا ہے اور شہاب المعروف بہ یاقوت حموی نے کتاب مسمّی بہ "المشترک وضعًا والمختلف
صُقعًا" میں بیان کیا ہے کہ ۱۴ جمادی الثانیہ سنہ مذکور میں لیا ہے۔

ابن شداد نے بیان کیا کہ جب عسقلان اور تمام وہ مقامات جو قدس کے اردگرد ہیں ان پر قبضہ ہوگیا تو سلطان بیت المقدس کے حملے کے لیے پوری تندہی اور جد و جہد کے ساتھ تیار ہوگیا۔ اس عرصہ میں جو فوجیں ساحلی علاقوں میں منتشر ہوگئی تھیں وہ بھی جمع ہوگئیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور اپنے معاملات کو اس کے سپرد کرکے اور اس دروازۂ خیر کے کھلنے کو غنیمت سمجھ کر قدس مبارک کی جانب روانہ ہوا جس کو غنیمت سمجھنے پر برانگیختہ کرنے کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے لیے کوئی بھلائی کا دروازہ کھلے اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے کیونکہ معلوم نہیں وہ کس وقت بند ہوجائے۔ اتوار کے روز ۱۵ رجب ۵۸۳ھ کو قدس پر اترا مغربی جانب پڑاؤ ڈالا یہ جانب سوار اور پیادہ جنگجو افواج سے پُر تھی۔

صلاح الدین کے تجربہ کار رفقاء کا بیان ہے کہ جو لوگ قلعہ بیت المقدس کے اندر موجود تھے ان کی تعداد عورتوں اور بچوں کے علاوہ ساٹھ ہزار سے زیادہ تھی (۱۳۳) پھر جنگی مصلحت کے پیش نظر جمعہ کے روز ۲۰ رجب کو شمالی جانب منتقل ہوگئے اور منجنیق لگادیئے اور متواتر حملوں اور مسلسل جنگ سے اہل شہر پر عرصہ حیات تنگ کردیا یہاں تک قلعہ کی دیوار میں وادیٔ جہنم کے متصل نقب لگایا جب دشمنوں نے اس بلائے ناگہانی کو اپنے سر پر آتا دیکھا جس کو ٹالنا کسی طرح ان کے بس میں نہ تھا اور شہر کے فتح ہونے اور مسلمانوں کے غالب آنے کے آثار ظاہر ہوگئے اور اس قتل وغارت اور قید و بند کی وجہ سے جو ان کے بہادروں اور طرفداروں کے سر پڑی اور اس تباہی و بربادی کی بناء پر جو ان کے قلعوں اور شہروں پر نازل ہوئی تھی وہ بہت زیادہ خائف تھے اور ان کو یقین ہوچکا تھا کہ جو ان کا حشر ہوا ہے وہی ہمارا بھی ہوگا لہذا وہ ڈھیلے پڑگئے اور امان طلب کرنے میں مصروف ہوگئے۔ طرفین سے شرائط صلح نامہ و پیام کے ذریعہ طے ہوگئے اور جمعہ کے روز ۲۷ رجب کو بیت المقدس کو انھوں نے سپرد کردیا۔ یہ شب لیلۃ المعراج تھی جس کا قرآن کریم میں ذکر موجود ہے۔ دیکھو کیا عجیب اتفاق ہے کہ اللہ پاک نے کس خوبی سے بیت المقدس کی دوبارہ واپسی مسلمانوں کے لیے اسی شب میں آسان فرمائی جس میں ان کے نبی کریم کو (براہ بیت المقدس) آسمان پر لے جایا گیا تھا۔ یہ اللہ پاک کی جانب سے اس طاعت کی قبولیت کی علامت تھی۔ بیت المقدس کی فتح ایک عظیم الشان فتح تھی جس میں اہل علم کی بہت بڑی جماعت

اور اصحاب فضل و زہد کا بہت بڑا گروہ شریک ہوا تھا۔ کیونکہ جب لوگوں کو ان ساحلی فتوحات کا علم ہوا، جو اللہ پاک نے صلاح الدین کو عنایت فرمائیں اور بیت المقدس کے حملہ کی اطلاع ہوئی (۱۳۴) تو مصر و شام کے تمام علما اس کے پاس پہنچ گئے۔ کوئی باقی نہ رہا اور عاجزی و انکساری کے ساتھ دعاؤں اور تہلیل و تکبیر کی آوازیں بلند ہوئیں اور جس روز فتح ہوا اُسی روز اس میں جمعہ کی نماز پڑھی گئی اور خطیب نے خطبہ پڑھا۔ میں کہتا ہوں قاضی محی الدین ابن محمد بن علی معروف بہ ابن ذکی کے حالات میں اُس خطبہ کا ذکر کیا گیا ہے جو انھوں نے قدس میں اس روز پڑھا تھا، اُسے معلوم کرلینا چاہیے اور قاضی فاضل کے رسالہ قدسیہ میں میں نے دیکھا کہ وہ خطبہ جمعہ کے روز ۴ر شعبان کو پڑھا گیا۔

میں ارتق کے حالات میں قدس کے کچھ حالات بیان ہو چکے ہیں اور یہ کہ افضل مصر کے سپہ سالار اعظم نے ارتق کے دونوں بیٹوں سقمان اور ایل غازی سے قدس لیا تھا (مگر) شعبان ۴۹۲ھ کو اور بعض کہتے ہیں۔ ۲۲ر شعبان کو اور بعض کہتے ہیں ۲۶ر رمضان کو عیسائیوں نے اس پر قبضہ کرلیا اور برابر عیسائیوں کے قبضہ میں رہا۔ یہاں تک صلاح الدین نے مذکورہ تاریخ میں عیسائیوں سے چھڑایا۔

ابن شداد کا بیان! شرط صلح یہ تھی کہ ہر بالغ مرد پر بیس دینار صوری اور ہر بالغ عورت پر پانچ دینار صوری اور ہر لڑکے یا لڑکی پر ایک دینار ٹیکس مقرر کیا جس نے ٹیکس ادا کیا وہ بچ گیا ورنہ قید کرلیا گیا۔ جو مسلمان قیدی وہاں قید تھے انھیں چھڑایا۔ بہت بڑی تعداد تھی۔ صلاح الدین نے قدس میں قیام کیا مال و دولت جمع کرتا تھا اور سرداران لشکر اور رہا دران فوج پر تقسیم کرتا تھا۔ (۱۳۵) علما، عباد، زہاد اور دوسرے آنے جانے والوں کو بخششوں اور عطاؤں سے نوازا اور جو لوگ اپنا ٹیکس ادا کر دیتے تھے ان کے جائے امن یعنی صور پہنچانے میں اعانت کرتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب سلطان قدس سے روانہ ہوا ہے تو ایک حبہ بھی اس مال میں سے باقی نہ تھا۔ جو ٹیکس میں وصول ہوا تھا۔ تقریباً دو لاکھ بیس ہزار دینار تھے۔ جمعہ کے روز ۳۰ر شعبان ۵۸۳ھ کو سلطان قدس سے روانہ ہوا۔

۳۔ محاصرہ صور ۵۸۳ھ-۵۸۴ھ

جب قدس فتح کرلیا تو صلاح الدین نے صور کا فتح کرنا مناسب سمجھا اور خیال کیا کہ اگر صور کے بارے میں مزید تاخیر کی گئی تو پھر شاید فتح کرنا دشوار ہو جائے لہذا صور کی جانب روانہ ہوا۔ اور عکّا میں آیا (چند روز) وہاں قیام کیا اور وہاں کے تمام انتظامات درست کیے پھر وہاں سے جمعہ کے روز رمضان سنہ مذکور کو صور کی جانب روانہ ہوا اور صور کے قریب پڑاؤ ڈالا اور سامان جنگ مہیا کرنے کے لیے (چاروں طرف

قاصد بھیج دیئے۔ جب تمام سامان سلطان کے پاس مکمل ہوگیا تو ماہ مذکور کی ۱۲ تاریخ کو صور پر حملہ کیا اور بہت سخت محاصرہ اور نہایت شدید جنگ کی مصر سے جنگی جہازوں کا بیڑا بھی بلوا لیا اور خشکی و تری دونوں جانبوں سے حملے شروع کر دیئے۔ پھر ہونین کے محاصرہ کے لیے ایک جنگی دستہ بھیجا اور ۲۳ شوال سنہ مذکور کو قلعہ ان کے ہاتھ آگیا۔ پھر (اکبر تبہ سور) اتفاق سے صور کا جنگی بیڑا رات کے وقت نکلا اور (موقعہ پاکر) مسلمانوں کے جنگی بیڑے پر چھاپہ مارا، سپہ سالار اور رئیس البحریہ (بحری بیڑے کا کمانڈر) (۱۳۶) اور پانچ دستے مسلمانوں کے گرفتار ہوگئے اور مسلمانوں میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ ماہ مذکور کی ستائیسویں تاریخ کو یہ واقعہ پیش آیا۔ سلطان پر یہ (ناگہانی) شکست بہت شاق گذری اور بہت آزردہ خاطر ہوا۔ اُدھر سردی سر پر آگئی تھی بارشیں مسلسل ہونے لگیں لہذا سلطان نے سرداران فوج سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے سب نے واپس چلنے کا مشورہ دیا تاکہ ذرا دم لے لیں اور پھر لڑائی کے لیے تازہ دم ہوکر آئیں۔ لہذا سلطان نے صور کا محاصرہ اُٹھا لیا جس قدر سامان محاصرے جا سکے وہ ساتھ لے لیا باقی جو بارش اور کیچڑ کی زیادتی کی وجہ سے ساتھ نہ لے جا سکتے تھے اُسے آگ لگا دی اتوار کے روز دوسری ذی القعدہ سنہ مذکور کو وہاں سے کوچ کیا تمام فوجیں منتشر ہوگئیں ہر گروہ کو ایک دستور العمل بنا کر دیدیا اور ہر قوم اپنے اپنے وطن چلی گئی اور خود سلطان اپنی مخصوص افواج کے ساتھ عکا میں مقیم رہا یہاں تک کہ ۵۸۴ھ آگیا پھر اس سال آغاز محرم میں قلعہ کوکب پر آتیا۔ (۱۳۷) سلطان کے ساتھ فوج بہت تھوڑی تھی اور کوکب بہت مضبوط قلعہ تھا۔ سامان رسد اور فوجیں بھی اس میں بہت کافی موجود تھیں۔ سلطان نے محسوس کیا کہ شدید جنگ کے بغیر قبضہ میں نہیں آسکتا لہذا دمشق واپس چلا آیا اور ۶ ربیع الاول سنہ مذکور کو دمشق میں داخل ہوا۔

ابن شداد فرماتے ہیں کہ جب سلطان کوکب پر مقیم تھا اس وقت میں بھی اس کی خدمت میں پہنچا اور پھر (سلطان سے رخصت ہوکر) بیت المقدس اور مزار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کے لیے چلا گیا اور جس دن سلطان دمشق میں داخل ہوا اسی دن میں بھی دمشق آیا (میں ابن شداد کے حالات میں یہ بیان کر چکا ہوں)

سلطان پانچ روز دمشق رہا پھر اس کو خبر پہنچی کہ عیسائیوں نے جبیل کا رُخ کیا اور دفعتہً اس پر حملہ کر دیا۔ لہذا نہایت تیزی کے ساتھ روانہ ہوا اور تمام مقامات پر فوجیں طلب کرنے کے لیے قاصد بھیج دیئے اور جبیل کے لیے روانہ ہوا۔ جب عیسائیوں کو سلطان کی آمد کی خبر پہنچی تو انھوں نے پیشقدمی کو روک دیا اور سلطان کو اطلاع پہنچی تھی کہ عماد الدین حاکم سنجار اور مظفر الدین بن زین الدین اور تمام موصل کا لشکر سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے اور اس کے ہمراہ جہاد میں شرکت کرنے کے ارادے سے حلب پہنچ گئے ہیں۔ لہذا سلطان قلعہ اکراد کی جانب

روانہ ہوا۔ ابن شداد نے بیان کیا کہ مظفر الدین یکم جمادی الاولیٰ ۵۸۴ھ کو صلاح الدین کے پاس پہنچ گیا تھا۔

یہاں تک جو واقعات میں نے بیان کیے (۱۳۸) وہ سب میں نے دوسرے قابلِ اعتماد (ثقہ) لوگوں سے نقل کیے ہیں اور یہاں سے جو کچھ لکھوں گا وہ صرف وہ واقعات ہوں گے جو میں نے بچشم خود مشاہدہ کیے۔ یا ایسے لوگوں نے مجھ سے بیان کیے جن پر مجھے پورا پورا اعتماد ہے اور ان کا بیان بھی بمنزلہ مشاہدہ کے ہے۔

جمعہ کے روز ۴ جمادی الاولیٰ کو سلطان بہترین فوجی ترتیب اور جنگی تیاری کے ساتھ دشمنوں کی حدود میں داخل ہوا اور صفیں آراستہ کیں۔ سب سے پہلے میمنہ بڑھا عماد الدین زنگی اس کی کمان کر رہا تھا۔ قلب بیچ میں تھا میسرہ آخیر میں تھا مظفر الدین اس کا سردار تھا۔ ۶ جمادی الاولیٰ بروز اتوار طلوعِ آفتاب کے وقت سلطان انطرطوس پہنچا قلعہ کے سامنے جا کر ٹھہرا۔ اس کی جانب دیکھنے لگا کیونکہ اس کا ارادہ جبلہ کا تھا لہذا اس کو کوئی اہمیت نہ دی اور قاصد بھیج کر میمنہ کو واپس بلا لیا اور سمندر کی جانب اُترنے کا حکم دیا اور میسرہ کو دوسری جانب اور خود اپنی اسی جگہ پر اُترا۔ اسلامی فوجیں شہر انطرطوس کو سمندر کی ایک جانب سے دوسری جانب تک بالکل گھیرے ہوئے پڑی تھیں۔ یہ شہر بالکل لبِ سمندر واقع ہو سکے قلعوں کے مانند دو برج ہیں لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوگئے اور شہر کے قریب پہنچ گئے اور ایک دم حملہ بول دیا۔ سخت جنگ ہوئی اور اچانک بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ ابھی پورے طور پر خیمے بھی نصب کرنے نہ پائے تھے کہ مسلمان قلعہ کی دیواروں پر چڑھ گئے اور بزورِ شمشیر اس پر قبضہ کر لیا۔ جس قدر مال و دولت اور ساز و سامان وہاں موجود تھا اور جو کچھ بھی وہاں تھا وہ سب مسلمانوں نے لوٹ لیا اور شہر کو آگ لگا دی ۱۴ جمادی الاولیٰ تک وہاں مقیم رہا۔ ایک برج مظفر الدین کے سپرد کر دیا مظفر برابر وہاں لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے ویران کر دیا۔ سلطان کا فرزند ملک ظاہر یہیں آکر باپ سے ملا، سلطان نے اُسے بھی بلوایا تھا چنانچہ وہ اپنے ساتھ بہت بڑا لشکر لے کر آیا۔ پھر وہاں سے جبلہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ ۱۲ جمادی الاولیٰ (؟) کو وہاں پہنچے (۱۳۹) ابھی لشکر پورے طور پر اُترا بھی نہ تھا کہ شہر پر قبضہ ہو گیا۔ اہل انطاکیہ نے صلح کے لیے قاصد بھیجا۔ سلطان نے پیامِ صلح منظور کر لیا۔ کیونکہ لشکر شاہ رچرڈ کی لڑائیوں سے تنگ آگیا تھا۔ یہ صلح صرف اہل انطاکیہ کے ساتھ ہوئی تھی اور اس شرط پر ہوئی تھی کہ جتنے قیدی ان کے پاس ہوں اُن کو وہ آزاد کر دیں اور مدتِ صلح سات ماہ ہے اس عرصہ میں اگر کوئی ان کا مددگار آگیا تو فبہا ورنہ وہ قلعہ سپرد کر دیں گے۔

اس کے بعد سلطان نے وہاں سے کوچ کیا۔ اس کے بیٹے ملک ظاہر حاکم حلب نے درخواست کی کہ سلطان (واپسی میں) اس کے پاس سے گذرے۔ سلطان نے منظور فرما لیا۔ چنانچہ ۱۱ شعبان کو حلب پہنچا تین دن قلعہ میں قیام کیا۔ بیٹے نے باپ کی مہمانی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اس کے بعد حلب سے روانہ ہوا راستہ میں

تقی الدین عمر سلطان کا بھتیجا ملا اور اپنے ہمراہ قلعہ حمات میں لے گیا۔ دعوت دی اور صوفیہ کے طرز پر گانے کا انتظام کیا (اور گانا ہوا) ایک شب حمات میں رہا اور جبلہ ولا ذقیہ اس کو دیدیئے۔ اور بعلبک کے راستہ سے روانہ ہوا اور رمضان سے تھوڑے دن پہلے دمشق میں داخل ہوا۔ (۱۴۰) پھر آغاز رمضان میں صفد کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ چنانچہ قلعہ صفد پر فوجیں اتریں لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ ۱۴ر شوال کو امان کے طور پر شہر فتح ہوا۔ اس ماہ رمضان المبارک میں کرک بھی سلطان کو سپرد کر دیا گیا۔ حاکم کرک کے قائم مقام نے خود سپرد کر دیا۔

کہتے ہیں۔ اس کے بعد کوکب کی جانب روانہ ہوئے اور سخت محاصرہ کیا اور بہت شدید جنگ ہوئی (موسم نہایت خراب تھا) لگاتار بارشیں ہو رہی تھیں۔ دلدل اور ہوائیں نہایت سخت تھیں دشمن بھی اونچی جگہ ہونے کی وجہ سے پورے طور پر چھایا ہوا تھا۔ مگر جب اُن کو یقین ہو گیا کہ ہم قبضہ میں آ جائیں گے تو انھوں نے امان مانگی اور نصف ذی القعدہ سال مذکور کو وہ بھی لے لیا۔

۴۔ جنگ عکا ۵۸۵ھ

(کوکب کی فتح کے بعد) پھر غور پر اُترا اور مہینہ کے باقی دنوں میں وہیں قیام کیا اور مجاہدین کی جماعت کو ایک دستور العمل (پروگرام) بنا کر دے دیا اور اپنے بھائی عادل کے ہمراہ بیت المقدس کی زیارت نیز اس کو رخصت کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ کیونکہ وہ مصر جا رہا تھا ۸ر ذی الحجہ کو قدس پہنچا اور وہیں عید کی نماز پڑھی اور ۱۱ر ذی الحجہ کو عسقلان کی جانب روانہ ہوا۔ تاکہ وہاں کے انتظامات درست کرے کیونکہ عسقلان اپنے بھائی عادل سے لے لیا تھا اور کرک اس کے بدلے میں اسے دیدیا تھا اس کے بعد ساحلی مقامات کا دورہ کیا تاکہ وہاں کے ملکی اور سیاسی حالات معائنہ کرے پھر عکا واپس آ گیا۔ اور محرم ۵۸۵ھ کا زیادہ حصہ وہیں گذارا وہاں کے انتظامات درست کیے (۱۴۱) امیر بہاء الدین قراقوش کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور عکا کی شہر پناہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور وہاں سے دمشق روانہ ہوا۔ یکم صفر سنہ مذکور کو وہاں پہنچا اور ربیع الاول تک وہیں مقیم رہا۔ پھر وہاں سے شقیف ارنون کی جانب چلا یہ بہت مستحکم مقام ہے، ۱۷ر ربیع الاول کو شقیف کے قریب مرج عیون میں پڑاؤ ڈالا چند روز تک وہاں قیام کیا روزانہ لڑائی ہوتی تھی اور امدادی فوجیں برابر سلطان کے پاس پہنچتی رہتی تھیں جب حاکم شقیف کو یقین ہو گیا کہ وہ سلطان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو خود قلعہ سے اُترا آیا سلطان کو اس کے آنے کا اس وقت پتہ چلا جبکہ وہ اس کے سامنے آکر خیمہ کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے اسے حاضر ہونے کی اجازت دی اور بہت اعزاز و احترام کیا۔ یہ عیسائیوں میں بہت بڑا اور بہت عقلمند شخص تھا۔ عربی جانتا تھا (۱۴۲) حدیث اور تاریخ سے بھی

کچھ واقفیت رکھتا تھا۔ سلطان کی خدمت میں جب حاضر ہوا تو بہت سنجیدگی اور متانت سے پیش آیا۔ سلطان کے ہمراہ کھانا کھایا اور پھر تخلیہ ہوا اور اس نے ظاہر کیا کہ وہ سلطان کا ادنیٰ غلام اور فرمانبردار رہا اور بغیر کسی زحمت کے وہ اس مقام کو سپرد کر دے گا اور یہ شرط کی کہ اسے رہنے کے لیے دمشق میں کوئی جگہ دے دی جائے کیونکہ اس کے بعد عیسائیوں کے ساتھ رہنا اس کے لیے ممکن نہ ہوگا اور اتنی جاگیر دیدی جائے جو اس کے اور اس کی اولاد کے لیے کافی ہو۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی شرطیں تھیں۔ سلطان نے سب منظور کرلیں ماہ ربیع الاول کے دوران میں سلطان کو شوبک کے سپرد کر دینے کی خبر پہنچی سلطان نے شوبک کے محاصرہ پر ایک لشکر مقرر کر دیا تھا ایک سال تک محاصرہ جاری رہا یہاں تک کہ قلعہ والوں کے پاس سامان خورد و نوش ختم ہوگیا لہذا انھوں نے بشرط امان قلعہ سپرد کر دیا۔

اس کے بعد سلطان کو معلوم ہوا کہ حاکم شقیف نے جو کچھ کہا تھا وہ سب فریب تھا لہذا اس پر فوجیں مقرر کیں پھر سلطان کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں نے عکا کا رخ کیا ہوا ہے پیر کے روز ۱۳ رجب ۵۸۵ھ کو ان کی فوجیں وہاں اتری ہیں اسی تاریخ میں حاکم شقیف کو انتہائی توہین و تذلیل کے بعد دمشق بھیج دیا اور سلطان خود عکا آیا اور یہ خبری ہیں شہر کے اندر داخل ہوا تاکہ اس کے اچانک پہنچنے سے باشندوں کے دل قوی ہو جائیں اور ہر طرف سے فوجیں طلب کرنے کے لیے قاصد بھیجے گئے چنانچہ ہر طرف سے فوجیں جمع ہوگئیں۔ دشمن کی تعداد دو ہزار سوار اور تیس ہزار پیادہ تھی پھر ان کی تعداد اور زیادہ ہونے لگی اور قوت بڑھنے لگی اور قلعہ عکا کو انھوں نے گھیر لیا۔ اور آنے جانے والوں کو روک دیا۔ یہ محاصرہ جمعرات کے روز ۱۵ ماہ رجب کو ہوا۔ سلطان اس محاصرہ سے بہت تنگدل ہوا۔ اور پھر راستے کھولنے کی کوشش کی تاکہ قافلوں کے ذریعہ رسد اور کمک پہنچتی رہے امرائے لشکر سے مشورہ کیا (۱۴۳) سب نے متفقہ طور پر یہ مشورہ دیا کہ دشمن سے مقابلہ کرنا چاہیے تاکہ راستہ کھلے چنانچہ ایسا ہی کیا اور راستہ کھل گیا اور مسلمان اسی راستے سے آنے جانے لگے سلطان بھی قلعہ عکا میں داخل ہوا اور وہاں کے انتظامات درست کیے پھر چند دن تک دونوں فریقوں میں چھیڑ چھاڑ جاری رہی اور اسلامی لشکر تل عیاضیہ پر ہٹ آیا یہ پہاڑی عکا سے قریب تھی (عکا اسی کے نیچے آباد تھا) اسی مقام پر امیر حسام الدین طمان کی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے وفات ہوئی۔ یہ حادثہ ۵ شعبان ۵۸۵ھ کو پیش آیا امیر موصوف بڑے بہادر جوانوں میں سے تھا۔ اس کے بعد ہمارے استاذ ابن شداد نے کچھ اور واقعات بیان کیے ہیں جن سے ہماری کوئی غرض وابستہ نہیں اور ان سب کو بیان کرنے میں یہ سیرت طویل ہو جاتی ہے۔ ہمارا مقصد صرف خاص خاص اور اہم واقعات بیان کرنا ہے اور بس۔

ابن شداد کہتے ہیں کہ میں نے سلطان کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔ لوگوں نے شکایت کی تھی کہ (۱۴۴)

عکا میں بہت زیادہ نقصان ہوا اور فریقین کی کثیر تعداد لقمۂ موت بنی سے

مجھے اور مالک کو قتل کردو اور مالک کو میرے ساتھ قتل کردو۔

مقصد یہ ہے کہ وہ اس پر راضی ہے کہ دشمنوں کی طرح اس کو بھی ہلاک کردیا جائے۔

میں!اس شعر سے ایک تشریح طلب قصہ متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ مالک بن حارث جو اشتر نخعی کے نام سے مشہور ہیں شہرۂ آفاق بہادروں میں سے تھے۔ اور حضرت علی بن ابی طالب کے خاص آدمیوں میں سے تھے مشہور جنگ جمل میں انکا اور عبداللہ بن زبیر کا مقابلہ ہوا۔ ابن زبیر بھی عرب کے مشہور بہادروں میں سے ہیں۔ اور اس زمانہ میں یہ اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کے طرفداروں میں سے تھے اور یہ لوگ حضرت علی کے ساتھ برسر پیکار تھے بہرحال جب مالک اشتر اور ابن زبیر کی کشتی ہونے لگی تو دونوں میں سے جس کا داؤں چلتا وہ دوسرے کو اپنے نیچے دبالیتا اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھتا چند مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ ابن زبیر اسی دوران میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ سے

قتل کردو مجھے اور مالک کو اور مالک کو بھی میرے ساتھ ہی مار ڈالو۔

مالک سے اشتر نخعی مراد ہیں قصہ تو بہت طول ہے تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے مگر اس کا خلاصہ یہی ہے۔

باب صلاح الدین اور رچرڈ ثانی (شاہِ انگلستان)

عکا کا محاصرہ اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلنا ۵۸۵ھ-۵۸۷ھ

(۱۴۵) اصل مقصد کی جانب رجوع! ابن شداد فرماتے ہیں کہ بحری جانب سے عیسائیوں کی عظیم الشان کمک یعنی یورپ کی فوجیں آگئیں اور عکا کی اسلامی فوجوں کے مقابلہ پر ان کی طاقت بہت بڑھ گئی ان محصورین میں امیر سیف الدین علی بن احمد جو مشطوب ہکاری کے نام سے مشہور ہیں اور امیر بہاء الدین قراقوش (خادم خاص سلطان صلاح الدین) بھی تھے محاصرین نے اہل قلعہ پر سخت یورش کی یہاں تک کہ قلعہ کی حفاظت ان کے قبضہ سے باہر ہوگئی آخر ۷ر جمادی الثانیہ ۵۸۷ھ کو جمعہ کے روز عکا سے ایک ماہر پیراک روانہ ہوا اس کے پاس مسلمانان عکا کے خطوط تھے جس میں انھوں نے اپنا حال زبون اور موجودہ صورت حالات لکھی تھی اور ظاہر کیا تھا کہ ہم سب اپنی ہلاکت کا یقین کر چکے ہیں دشمن جب بزور شمشیر قلعہ پر قبضہ کریں گے تو یقیناً سب کو تہ تیغ کردیا جائے گا اور یہ کہ ہم نے محاصرین سے صلح کی گفتگو کی ہے کہ ہم شہر اور تمام سامان جنگ، اسلحہ اور جہاز جو شہر میں ہیں اور دو لاکھ دینار اور پانچسو قیدی بلا تعین اور ایک سو قیدی جن کی تعین وہ کریں اور صلیب صلبوت انھیں دیدیں اور مسلمان

شہر سے صحیح سالم مخصوص اموال، سامان اور بیوی بچوں کو لے کر نکل جائیں اور مرقیس جس نے درمیان میں پڑ کر صلح کرائی آتے چار ہزار دینار دیں۔ جب سلطان کو ان خطوط کا علم ہوا تو بہت بگڑا اور یہ ذلت آمیز صلح اس پر بہت شاق گذری اہل الرائے اراکین سلطنت کو جمع کرکے ان سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔

سلطان کی رائے کسی چیز پر نہیں جمتی تھی اس کا فکر کچھ کام نہیں کرتا تھا اور بہت پریشان حال تھا ارادہ کیا کہ اسی وقت رات میں اسی پیراک کے ذریعہ پیام بھیجے اور ان کو اس صورت پر صلح کرنے سے روکے وہ ابھی اسی تردد میں تھا کہ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ دشمنوں کے جھنڈے، صلیبیں، (۱۴۷) آگ اور مخصوص نشانات قلعہ کی دیواروں پر بلند ہیں۔ یہ واقعہ جمعہ کے روز دوپہر کے وقت، ۱۷ جمادی الثانیہ ۵۸۷ھ کو پیش آیا۔ عیسائی شور دغل کرتے ہوئے ٹوٹ پڑے اور مصیبت کا پہاڑ مسلمانوں کے سر پر آ پڑا بہت ابتر حال ہو گیا سخت رنج والم چیخ پکار نالہ و شیون اور گریہ وزاری میں مبتلا ہو گئے۔

عیسائی محاربین کی ساحل کیطرف پیشقدمی اور صلح کا واقعہ ۵۸۷ھ

پھر ابن شداد نے بیان کیا کہ عیسائی حملہ آور عسقلان پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے نکلے (۱۴۸) اور بحر احمر کے کنارے کنارے روانہ ہوئے سلطان اور اس کی فوجیں اُن کے آگے آگے تھیں یہاں تک کہ ارسوف تک پہنچ گئے اور بہت سخت لڑائی ہوئی اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا اسی طرح عکا سے پوری بیس منزل تک وہ بڑھتے چلے گئے۔ سلطان رملہ آیا۔ اور اس کو اس کے خبر رساں نے اطلاع دی کہ دشمن یافا کو آباد کرنا اور سامان جنگ، آلات حرب اور افواج سے مستحکم کرنا چاہتے ہیں لہذا سلطان نے ایک مجلس مشاورت طلب کی عسقلان کے بارے میں مشورہ کیا کہ آیا (مصالح جنگ کے پیش نظر) ویران کردینا چاہیے یا آباد رہنے دینا چاہیے آخر باتفاق رائے یہ طے پایا کہ ملک عادل دشمن کے سامنے صف آراء رہے اور سلطان بنفس نفیس جائے اور عسقلان کو برباد کردے کیونکہ اس امر کا قوی خطرہ ہے کہ دشمن وہاں پہنچ کر اسی آبادی کی حالت میں اس پر قبضہ کرلیں اور وہاں سے بآسانی قدس پر قابض ہو جائیں اور پھر مصر کا راستہ بھی بند ہو جائے (۱۴۹) سلطان عسقلان میں داخل نہیں ہوئے انھیں خوف ہوا کہیں ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو جو عکا میں مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ اور انھوں نے قدس کی حفاظت کو زیادہ ضروری سمجھا بہر حال متعدد وجوہات کی بنا پر عسقلان کو ویران کرنا ہی بہتر سمجھا گیا۔ یہ اجتماع منگل کے روز، ۱۷ شعبان ۵۸۷ھ میں ہوا چنانچہ ۱۸ شعبان بدھ کی صبح کو عسقلان کیجانب

روانہ ہوئے ابن شداد نے بیان کیا کہ سلطان نے عسقلان کے بارے میں ملک افضل سے گفتگو کرنے کے بعد مجھ سے اس کے ویران کرنے کے بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ میں اپنی تمام اولاد سے ہاتھ دھولوں یہ مجھے آسان معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں عسقلان کی ایک اینٹ بھی گراؤں لیکن جب قضاء الٰہی یہی ہوا اور مسلمانوں کی مصلحت اسی میں ہو تو پھر کیا چارۂ کار ہے۔

کہتے ہیں جب عسقلان کو برباد کرنے پر اتفاق ہوگیا تو اللہ پاک نے سلطان کے دل میں بھی اس کو ڈالدیا اور یہ کہ مصلحت وقت یہی ہے کیونکہ مسلمان اس کی حفاظت سے عاجز ہیں چنانچہ ۱۹؍شعبان صبح سویرے سے گرانا شروع کیا تمام شہر پناہ مسلمانوں کو بانٹ دی لشکر کے ہر امیر کو ایک مقررہ ٹکڑا اور معین برج گرانے کیواسطے دیا لوگ شہر میں آگئے چیخ پکار اور گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہونے لگیں کیونکہ عسقلان بہت ہی دلکا دیدہ مضبوط شہر پناہ اور زبردست عمارات والا قلعہ تھا باشندوں کو بہت محبوب تھا۔ لہٰذا اس کی بربادی پر لوگوں کو بہت غم ہوا اور اہل شہر اپنے وطن عزیز کے چھوٹنے پر بہت چیخے پیٹے جو چیزیں لے جا نہیں سکتے تھے وہ بیچنی شروع کیں چنانچہ جو دس ہزار کی چیز وہ ایک درہم میں بیچدی ۱۴ مرغیاں ایک درہم (۱۴) میں۔ (۱۵۰) شہر بالکل ویران ہوگیا لوگ اپنے اہل وعیال کو ہمراہ لے کر اپنے اپنے قیام گاہ پر چلے گئے اور پراگندہ ہوگئے کچھ لوگ مصر چلے گئے کچھ شام چلے گئے۔ اور ان مہاجرین پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں سلطان اور اس کے بیٹوں نے ویران کرنے میں انتھک کوشش کی کہ کہیں دشمن نہ سن لے اور فوراً چلا آئے اور پھر ویران نہ کرسکیں اور شہر کو ویران کرنے میں نہایت سخت حالات اور شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

اسی شب میں ملک عادل کے پاس سے قاصد آیا اور بیان کیا کہ عیسائی ملک عادل سے صلح کی گفتگو کرتے ہیں اور تمام ساحلی شہروں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سلطان نے دیکھا کہ مصلحت وقت یہی ہے کیونکہ وہ لوگوں کی اس قلبی کیفیت سے خوب اچھی طرح واقف تھا جو مسلسل جنگ سے تنگدل ہو جانے اور بکثرت قرض کا بار چڑھ جانے کی وجہ سے ان کے دلوں پر گذر رہی تھی ملک عادل کو خط لکھا اور صلح کا معاملہ اس کے سپرد کر دیا ۲۰؍شعبان کو جمعہ کے دن سلطان شہر کے برباد کرنے پر تلا ہوا تھا اور لوگوں کو ڈھانے کے کام پر لگا رکھا تھا پھرتی سے کام کرنے پر اُبھار رہا تھا اور غلہ کی کھتیوں میں جس قدر غلہ تھا وہ سب لوگوں کے لیے عام کر دیا تھا سلطان گھبرایا ہوا تھا اور عیسائیوں کے ملنے اور شہر کی بربادی کے رہجانے سے خوفزدہ تھا آخر شہر کو آگ لگانے کا حکم دیا چنانچہ شہر کے تمام مکانات میں آگ لگادی۔ شہر پناہ بہت مضبوط تھی ختم ماہ شعبان تک بربادی اور ویرانی برابر اپنا کام کرتی رہی پیر کے روز یکم ماہ رمضان المبارک کو اپنے بیٹے افضل کو حکم دیا (۱۵۱) کہ وہ خود مع اپنے مخصوص مصاحبین کے شہر کے ڈھانے کی خدمت انجام دے میں نے خود اُسے آگ لگانے کے لیے لکڑیاں لادکر

لاتے ہوئے دیکھا ہے۔

بدھ کے روز تیسری رمضان کو رملہ آیا پھر وہاں سے لُدّ کی جانب چلا گیا اور اس کے اوپر چڑھا (معائنہ کے بعد) اس کے اور قلعہ رملہ کے ڈھانے کا حکم دیا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ہفتہ کے روز ۱۳ رمضان کو سلطان اپنے لشکر سمیت پہاڑی کی جانب ہٹ آیا تاکہ لوگ ضروری سامان لانے کے لیے اپنے جانور لے جا سکیں سلطان قلعہ نطرون کے چاروں طرف گھوما یہ قلعہ بھی نہایت مضبوط تھا اس کے برباد کرنے کا بھی حکم دیدیا اور لوگوں نے ڈھانا شروع کر دیا۔

۳۔ صلح سنہ ۵۸۸ھ

اس کے بعد ابن شداد نے بیان کیا کہ رچرڈ شاہ انگلستان نے جو فرنگیوں میں بہت بڑا بادشاہ ہے ملک عادل کے پاس قاصد بھیجا اور اس سے ملاقات کی خواہش کی ملک عادل نے منظور کر لیا اور جمعہ کے روز ۸ ارشوال سنہ مذکور کو ان دونوں کی ملاقات ہوئی دن کے اکثر حصہ دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے اور نہایت مستحکم محبت قائم کر کے ایک دوسرے سے جدا ہوئے شاہ رچرڈ نے ملک عادل سے درخواست کی کہ وہ سلطان سے اس کی ملاقات کی درخواست کرے عادل نے سلطان سے اس کا ذکر کیا سلطان نے اپنے اعیان سلطنت سے اس کے متعلق مشورہ کیا اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ صلح کے بعد ملاقات ہونی چاہیے پھر رچرڈ کا قاصد آیا اور کہا کہ بادشاہ کہتا ہے کہ میں تم سے محبت اور دوستی قائم کرنا چاہتا ہوں تم کہتے ہو کہ تم نے یہ ساحلی مقامات اپنے بھائی کو دیدیئے ہیں (میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں) لہذا میں چاہتا ہوں کہ تم میرے (۱۵۲) اور اس کے درمیان حکم (ثالث) بنجاؤ یہ یقینی امر ہے کہ قدس سے ہمارا بھی کچھ تعلق رہنا چاہیے اور اس بارے میں بہت کچھ کہا سلطان نے قاصد سے خوش آیند وعدے کیے اور اس کو اسی وقت واپس جانے کی اجازت دی قاصد اس سے بہت متاثر ہوا قاصد کے جانے کے بعد سلطان نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم صلح کر لینے کے بعد ہم ان کے خطرات سے محفوظ نہ رہیں گے اور اگر خدانخواستہ میری زندگی پوری ہو گئی تو پھر یہ لشکر جمع نہ ہو سکیں گے اور عیسائی سلطنتیں قوت پکڑ جائیں گی لہذا مصلحت وقت یہی ہے کہ ہم سلسلہ جہاد برابر جاری رکھیں یہاں تک کہ یا ہم ان عیسائیوں کو ساحل سے نکال دیں یا خود جان دیدیں۔ یہ سلطان کی ذاتی رائے تھی اور صلح اس کی منشا کے خلاف ہوئی۔

ابن شداد کہتے ہیں کہ اس کے بعد طرفین سے شرائط صلح طے کرنے کے لیے سفرا کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ ابن شداد نے اس جگہ بہت طول دیا ہے غیر ضروری سمجھ کر میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کچھ اور بھی

واقعات پیش آئے جنھیں طول کلام کے خوف سے میں نے نہیں بیان کیا خلاصہ یہ کہ صلح مکمل ہوگئی۔ بروز بدھ ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ کو صلح نامہ مکمل ہوا (۱۵۳) اور صلح کے مکمل ہونے کا اعلان ہوگیا اور یہ کہ اسلامی اور عیسائی ممالک صلح وامن میں بالکل برابر ہیں لہذا ایک ملک کے باشندے دوسرے میں بغیر روک ٹوک اور خوف خطر آجاسکتے ہیں۔ یہ بڑا مبارک دن تھا دونوں فریق کے افراد کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بس خدا ہی جانتا ہے حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ یہ صلح صلاح الدین کی خوشی اور صوابدید سے نہ تھی صرف لشکر کی تنگدلی اور مخالفت پر تیار ہوجانے کی وجہ سے اس نے صلح کو مصلحتاً منظور کرلیا۔ مرضی الٰہی بھی یہی تھی کیونکہ صلح کے بعد ہی سلطان کی وفات ہوگئی اگر یہ موت کا حادثہ ان واقعات کے دوران میں پیش آتا تو اسلام خطرہ میں تھا۔

خاتمہ۔ سلطان کی وفات ۵۸۹ھ

(۱۵۴) صلح کے بعد دور دراز ممالک سے جو فوجیں اعانت کے عنوان سے آئی تھیں ان کے لیے ایک دستورالعمل تیار کر کے دیا اور وہ اپنے اپنے ملک کو روانہ ہوگئے۔ جب اس طرف سے مطمئن ہوگیا تو حج کا ارادہ کیا۔ سلمان عیسائیوں کے شہروں میں اور عیسائی سلمانوں کے شہروں میں آنے جانے لگے۔ اموال تجارت اور مصنوعات کی درآمد برآمد شروع ہوگئی بیت المقدس کی زیارت کے لیے عیسائی بکثرت آئے سلطان بھی روانہ ہوا تاکہ قدس کے حالات کی دیکھ بھال کرے سلطان کا بھائی ملک عادل کرک کیجانب اور اس کا بیٹا ملک ظاہر حلب کیجانب اور دوسرا بیٹا دمشق کیجانب اور خود سلطان نے قدس میں قیام کیا لوگوں کے فوجی دستے بناتا تھا اور ان کو دستورالعمل تیار کرکے دیتا تھا اور مصر جانے کی تیاری میں مصروف تھا اور (۱۵۵) حج کا شوق جاتا رہا تھا۔

حالات کی رفتار یہی رہی یہاں تک سلطان کو تحقیق معلوم ہوا کہ رچرڈ کا جہاز آغاز شوال میں اس کے ممالک کیجانب روانہ ہوگا تب سلطان کا ارادہ پختہ ہوگیا کہ ایک پیادہ فوج کا دستہ ہمراہ لیکر ساحل روم کا سفر کرے اور بحری قلعوں کا بانیاس تک معائنہ کرے اور دمشق جائے اور چند روز وہاں قیام کرے اور اس کے بعد پھر قدس واپس آئے اور وہاں سے مصر استاذ ابن شداد نے بیان کیا کہ سلطان نے مجھے ہسپتال کی تعمیر اور مدرسہ کی تکمیل کے لیے جو وہاں اس نے بنوائے تھے اپنی واپسی تک قدس میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور بروز جمعرات ۶ شوال ۵۸۸ھ کو دن چڑھے قدس سے روانہ ہوا۔ جب ساحلی قلعوں کے سیاسی حالات کے معائنہ اور انکی کمزوریوں کو دور کرنے سے فارغ ہوا تو بدھ کے روز ۲۶ شوال کو صبح سویرے دمشق پہنچا دمشق میں صلاح الدین کی اولاد ملک افضل، ملک ظاہر، ملک ظافر مظفر الدین الخضر جو مشمر کے نام سے مشہور ہے اور دوسرے چھوٹے بچے

موجود تھے سلطان کو دمشق سے بہت محبت تھی اور سب جگہ سے زیادہ وہاں رہنا پسند کرتا تھا۔ جمعرات کے روز ۱۷ رشوال کو لوگوں سے ملاقات کے لیے صبح سویرے تشریف فرما ہوا۔

باشندگان دمشق (جوق درجوق) سلطان کی قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے اور تشنگان دیدار نے اپنے اپنے شوق پورے کیے شعراء نے اشعار پڑھے، خاص و عام کسی طبقہ کا کوئی شخص ایسا نہ رہا تھا جو نہ آیا ہو۔ سلطان بھی عدل و انصاف کے سایہ کی توسیع انعام و اکرام کی موسلا دھار بارش اور رعایا کے ظلم وستم کی تخفیف میں برابر مصروف رہا۔ (۱۵۶) ملک افضل نے ملک ظاہر کو ایک دعوت دی اس لیے کہ جب ملک ظاہر دمشق آیا اور اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان دمشق روانہ ہو چکا تو وہ بھی ٹھہر گیا تاکہ دوبارہ سلطان کے دیدار سے مستفیض ہو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اُسے سلطان کی وفات قریب ہونے کی خبر ہو گئی ہے لہذا اس مرتبہ کئی دفعہ اس سے رخصت ہوا ملک افضل نے جو دعوت کی اس میں اپنی شان کے لائق خوب عالی حوصلگی اور فراخدلی کا ثبوت دیا گویا افضل چاہتا تھا کہ ملک ظاہر نے جو سلوک اس کے ساتھ اُس وقت کیا تھا جب وہ ملک ظاہر کے ہاں گیا تھا اس کا بدل کرے۔ اس دعوت میں دیندار اور دنیا دار ہر قسم کے آدمیوں کو شریک کیا سلطان سے بھی حاضر ہونے کی درخواست کی سلطان نے اس کی دلجوئی کے خیال سے منظور کر لیا اور شرکت کی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہوا یہ دن اپنی خوبیوں کے لحاظ سے یادگار تھا۔ جب ملک عادل کرک کے سیاسی حالات کا معائنہ کر چکا اور جو اصلاح کرنا چاہتا تھا اس سے فارغ ہو گیا تو بلاد فراتیہ کی جانب روانہ ہوا چنانچہ بدھ کے روز ۱۷ ذی القعدہ کو دمشق پہنچا سلطان اس سے ملنے کے لیے شہر سے باہر آیا تھا اور غباغب اور کسوہ کے مابین شکار کھیلتا رہا یہاں تک کہ عادل سے ملاقات ہوئی اور دونوں شکار کھیلتے ہوئے روانہ ہوئے اور اتوار کے روز شام کے وقت
۱۱ رذی الحجہ ۵۸۸ھ کو دونوں ایک ساتھ دمشق میں داخل ہوئے۔ (۱۵۷)

سلطان نے دمشق میں قیام کیا بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ سیر و شکار میں مصروف تھا دمشق کے سرسبز چراگاہوں اور ہرنوں کے جنگلوں میں سب مل کر سیر و شکار کے لیے جاتے گویا سلطان مسلسل خستگی اور ماندگی، محنت و مشقت اور راتوں کی جگائی کی تکلیف سے آرام لے رہا تھا اور یہ اس کا قیام ایسا تھا گویا وہ اپنی اولاد سے رخصت ہو رہا ہے۔ مصر جانے کا ارادہ بالکل فراموش ہو گیا اور دوسرے ہی کام اور دوسرے ہی ارادے سامنے آ گئے۔

ابن شداد نے بیان کیا کہ میرے پاس قدس میں سلطان کا خط آیا جس میں اس نے مجھے اپنے پاس بلایا تھا۔ یہ زمانہ سخت سردی اور برسات کا تھا۔ چنانچہ میں قدس سے جمعہ کے روز ۲۳ محرم ۵۸۹ھ

کو روانہ ہوا اور منگل کے روز ۱۲ صفر کو دمشق پہنچا۔ ۱۵ صفر کو جمعہ کے دن سلطان حاجیوں سے ملنے کے لیے سوار ہوا تھا اور یہ آخری سواری تھی جب ہفتہ کی رات آئی تو سلطان نے بہت زیادہ تکان اور کسل محسوس کیا اور آدھی رات ہوتے ہوتے صفراوی بخار چڑھ آیا۔ جسم کے اوپر اتنا نہ تھا جتنا اندر تھا۔ ہفتہ کے روز کسل مند رہا بخار کا اثر برابر موجود تھا لوگوں کو اس علالت کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ لیکن میں اور قاضی فاضل (وزیر سلطان) خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بعد سلطان کا بیٹا ملک افضل آگیا۔ دیر تک ہم سلطان کے پاس بیٹھے رہے۔ سلطان نے اپنی رات کی بےچینی کا ذکر کیا اور تقریباً ظہر کے وقت تک گفتگو میں دلچسپی لیتا رہا پھر ہم واپس آگئے مگر ہمارے دل اُس کے پاس تھے۔ سلطان نے ہم سے فرمایا کہ ہم اس کے بیٹے ملک افضل کے ہمراہ دسترخوان پر کھانے میں شریک ہوں قاضی فاضل کو اس قسم کے بادشاہوں کے دسترخوان پر شرکت کرنے) کی عادت نہ تھی لہٰذا وہ واپس ہوگیا اور میں سامنے والے ایوان میں چلا گیا۔ دسترخوان بچھ گیا اور سلطان کا بیٹا ملک افضل اُس کی جگہ بیٹھا تھا میں (یہ دیکھ کر) واپس آگیا تو حشت کی وجہ سے مجھ میں وہاں بیٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ اس روز اور بھی بہت سے لوگ سلطان کی جگہ اُس کے بیٹے کے بیٹھنے سے بدفالی لے کر رو دیے۔ مرض برابر بڑھتا رہا۔ ہم پابندی کے ساتھ صبح و شام آتے جاتے تھے۔ میں اور قاضی فاضل دن میں کئی کئی مرتبہ آتے تھے۔ مرض کا زیادہ زور سر پر تھا۔ سلطان کی عمر ختم ہو چکنے کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ سلطان کا طبیب جو سفر اور حضر میں اس کے مزاج سے واقف تھا وہ بھی کہیں غائب ہوگیا۔ اطباء کی رائے فصد کھلوانے کی ہوئی چنانچہ چوتھی تاریخ کو فصد کھولی گئی اس سے مرض اور بھی بڑھ گیا اور جسم کی رطوبتیں اور بھی کم ہوگئیں اور خشکی غالب ہوگئی مرض تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا گیا کہ زری انتہا درجہ ہوگئی چھٹی، ساتویں اور آٹھویں تاریخوں میں مرض کے حملے بہت سخت ہوگئے۔ مرض کی رفتار برابر ترقی پر رہی۔ ہوش و حواس بھی ٹھیک نہ رہے حتیٰ کہ نویں تاریخ کو بالکل بیہوشی طاری ہوگئی اور دوا بھی نہ پی سکا تمام شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا اور لوگ خوف زدہ ہوگئے اور منڈیوں سے اپنے تجارتی سامان منتقل کر دیے ایسا سخت رنج و غم لوگوں پر چھایا کہ بیان (۱۵۸)

(۱۵۹) سے باہر ہے بیماری کے دسویں روز دن میں دو مرتبہ انیمہ کیا گیا اس سے کچھ سکون ہوا لوگوں نے بہت خوشیاں منائیں مگر پھر مرض زور پکڑ گیا اور معالجین مایوس ہوگئے۔ تب ملک افضل نے رعایا سے قسمیں اور عہد لینے شروع کیے آخر بدھ کے روز ۲۷ صفر ۵۸۹ھ کو صبح کی نماز کے بعد انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون

صلاح الدین کی وفات کا دن ایسا دن تھا کہ خلفاء راشدین کی وفات کے بعد سے اس وقت تک اسلام اور مسلمانوں نے ایسا دن نہیں دیکھا۔ قلعہ ملک بلکہ تمام عالم پر ایسی وحشت برس رہی تھی کہ بس خدا ہی خوب جانتا ہے۔ خدائے عزوجل کی قسم ہے کہ میں نے خود لوگوں سے سنا کہ وہ اپنے آپ کو اس مبارک ہستی پر قربان

کر دینے کی آرزو کرتے تھے جو انھیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز تھی میں آج تک یہ سمجھتا تھا کہ اس قسم کی باتیں ایک قسم کا مبالغہ اور اظہار عقیدت کے لیے ہوتی ہیں مگر اس روز میں خود اپنی اور دوسروں کی حالت یقینی طور پہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر جان کے بدلے جان لی جایا کرتی تو لوگ یقیناً اس پر اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ ملک افضل سلطان کا بیٹا رسم تعزیت کے لئے بیٹھا اور دولعی (خطیب جامع دمشق) نے غسل دیا۔ ظہر کی نماز کے بعد اس غریق رحمت کا جنازہ ایک تابوت میں رکھ کر نکالا گیا سندھی تولیہ تابوت کے اوپر پڑا ہوا تھا جنازہ کو دیکھتے ہی گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہوگئیں لوگ دہاڑیں مار مار کر رونے لگے اور مسلسل رحمت و مغفرت کی دعائیں اس کی روح پر بھیجنی شروع کیں۔ "شہر ستانی" کی حویلی میں لوٹا کر لایا گیا یہ وہی مکان ہے جس میں بیماری کی حالت میں تھا اور اس کے مغربی برآمدہ
۱۶) میں دفن کیا گیا۔ عصر کے قریب قبر میں اُتارا گیا ابن شداد نے اس مقام پر کلام کو بہت طول دیا ہے ناظرین کی تنگدلی کے خیال سے میں نے اُسے چھوڑ دیا اور سیرت کے آخر میں ابو تمام کا یہ شعر لکھا ہے۔ ؎

زندگی کے سال بھی گذر گئے اور لوگ بھی گذر گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور وہ سب خواب و خیال تھے۔

اللہ پاک اس پر رحم و کرم فرمائے اور اس کی روح کو پاک و شاد رکھے کیونکہ وہ دنیا کی بہترین نعمتوں اور عجائبات روزگار میں سے تھا۔

سبط ابن جوزی اپنی تاریخ میں ۵۷۸ھ کے ماتحت لکھتا ہے۔ ۵ محرم کو صلاح الدین مصر سے روانہ ہوا شام جانیکے ارادہ سے برکہ میں اُترا اور ارکین سلطنت اسے رخصت کرنے کے لیے آئے۔ شعرا نے وداع کیوقت اشعار پڑھے۔ اسی وقت خیمہ کے سامنے ایک شخص کو یہ شعر پڑھتے سنا۔

نجد کی پھولوں کی خوشبو کے مزے لیلے اس لیے کہ آج کی سہ پہر کے بعد پھر ان پھولوں کی خوشبو میسر نہ آئے گی۔

سلطان نے اس شخص کو تلاش کرایا مگر وہ نہ ملا سلطان چپ رہ گیا اور حاضرین نے اس سے بدشگونی لی۔ چنانچہ ایسا ہی ہو کیونکہ سلطان (وہاں سے آکے) مشرقی ممالک کی فتوحات اور صلیبی لڑائیوں میں مصروف ہوگیا اور اس کے بعد پھر مصر لوٹ کر نہیں گیا۔ بیں! یہ بھی حماسہ کے باب النسیب کی ایک بیت ہے۔

استاذ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ ایک دوسری صورت سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں "بدشگونی کا
۱) ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ سلطان صلاح الدین جب قاہرہ سے روانہ ہوا تو لشکر کے جمع ہونے تک اپنے خیمہ گاہ میں قیام کیا۔ تمام ارکین سلطنت، علماء اور ادباء سب اس کی خدمت میں موجود تھے کوئی رخصت ہو رہا تھا کوئی ساتھ جانے کے لیے تیار تھا اور ہر شخص رخصت ہونے اور جدا ہونے کے وقت کچھ کلمات کہتا تھا۔ انہی حاضرین میں

اُس کے ایک بچہ کا سلوم بھی تھا اس نے حاضرین میں سے اپنا سر نکالا اور یہ شعر پڑھا۔ صلاح الدین (اس کو سن کر) کبیدہ خاطر ہوگیا اور خوشی کی حالت میں شگون بدلیا تمام مجلس کا رنگ دگرگوں ہوگیا چنانچہ اس کے بعد مرتے دم تک مصر لوٹ کر آنا ممکن نہ ہوا حالانکہ زیادہ مدت کافی پایا۔

ابن شداد نے سیرت کے شروع میں بیان کیا ہے کہ صلاح الدین نے اپنی وفات کے وقت اپنے تمام سونے چاندی کے خزانوں میں سے صرف ۴۷ درہم ناصری اور تھوڑا سا ٹکڑا صوری سونیکا چھوڑا اور بس وکوئی ملک چھوڑی نہ گھر نہ جاگیر نہ باغ نہ گاؤں نہ کھیت۔

سلطان کی وفات پر قاضی فاضل (وزیر سلطان) نے سلطان کے بیٹے ملک ظاہر حاکم حلب کے پاس ایک تعزیتی خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا " تمہارے لیئے رسول اللہ کی ذات گرامی بہترین نمونۂ عمل ہے" بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے "آقا محترم سلطان ملک ظاہر کو میں لکھ رہا ہوں اللہ پاک اس کو حسن صبر اور مصیبت کا نعم البدل عطا فرمائے اور مذکورہ ساعت میں اس کو صحیح قائم مقام بنائے۔ مسلمانوں میں اس حادثہ سے سخت تہلکہ مچ گیا آنسوؤں نے رخساروں میں گڑھے ڈالدیئے کلیجہ منھ کو آنے لگا۔ تیرے باپ اور اپنے مخدوم کو میں ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے ایسا رخصت کر چکا کہ اب ملاقات کی توقع نہیں۔ میں نے (بوقت وداع) اپنی اور تیری
(۱۶۲) طرف سے پیشانی پر بوسہ دیا اور ایسی حالت میں اسے خدا کے سپرد کر دیا کہ نہ کوئی تدبیر مفید ہے اور نہ کوئی قوت کارگر، راضی برضائے خدا، تمام قوت وطاقت صرف خدائے بزرگ و برتر کے لیے ہے بڑی بڑی منظم فوجیں اور نیام کے اندر تلواریں یا اب حکومت پر موجود ہیں مگر یہ بلا کو دور نہیں کر سکتے کوئی بادشاہ قضائے الٰہی کو نہیں ٹال سکتا۔ آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی ہیں دل دھڑک رہا ہے مگر زبان سے وہی کہتے ہیں جو خدا کو پسند آئے اور "اے یوسف ہم تجھ پر غمگین ہیں" باقی رہی ضروری دمتیں اور مشورے سو اس مصیبت نے مجھے بیکار کر دیا (اس وقت کچھ نہیں عرض کر سکتا) باقی رہے آنے والے امور سوا گران کے اوپر اتفاق ہو جائے تب تو صرف سلطان کی ہی کی ہستی ہمارے ہاتھ سے گئی اور اگر (خدانخواستہ) ایسا نہ ہوا تو پھر آنے والی مصائب میں سب سے زیادہ سہل مصیبت سلطان کی موت ہے حالانکہ وہ بہت سخت حادثہ ہے (مگر نا اتفاقی کی صورت میں جن مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا ان کے مقابلہ میں وہ کچھ نہیں) والسلام"

ابن شداد کے علاوہ دوسرے مورخ بیان کرتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین قلعہ دمشق میں مدفون رہا یہاں تک کہ اس کے لیے کلاسہ کی شمالی جانب جو جامع مسجد دمشق کی شمالی جانب ہے ایک مقبرہ تعمیر کیا گیا اس کے دروازے تھے ایک کلاسہ کی جانب اور .... دوسرا ایک بندگلی میں یہ مدرسہ عزیزیہ کے قریب ہے (میں) میں اس قبہ میں اس دروازہ سے داخل ہوا جو کلاسہ کی جانب ہے قرآن کریم کی تلاوت کی دعا مغفرت کی مزار کے مجاور

اور مقبرہ کے نگران نے میرے سامنے ایک بقچہ رکھا اس میں سلطان کے جسم مبارک کا ملبوس خاص تھا منجملہ اور کپڑوں کے اس میں ایک زرد رنگ کی چھوٹی سی قبا تھی جس کی دونوں آستینوں کے کنارے سیاہ ہوگئے تھے میں نے اس سے برکت حاصل کی۔ پھر جمعرات کے روز دسویں محرم ۵۹۲ھ کو قلعہ میں جس جگہ دفن تھا (۱۱۹۳ء)
وہاں سے اس مقبرہ میں منتقل کیا گیا۔ قرآن پڑھنے کے لیے قاری اور مکان کی صفائی کے لیے خادم مقرر کیے گئے پھر سلطان کے بیٹے ملک العزیز عماد الدین عثمانی نے جس کا ذکر گذر چکا جب اپنے بھائی ملک افضل سے دمشق لیا تو اس مقبرہ کے پہلو میں مدرسہ عزیزیہ بنوایا اور اس کے لیے ایک بہت بڑا وقف مقرر کیا اس قبہ کی جالیاں مدرسہ کی جانب ہیں یہ دمشق کے بڑے مدارس میں سے ہے۔ یکم رمضان ۶۸۰ھ کو صبح سویرے میں نے سلطان کی قبر کی زیارت کی صندوق قبر پر تاریخ وفات کے بعد یہ الفاظ لکھے تھے۔ "اے اللہ۔ تو اس روح مبارک سے راضی ہوجا اور اسکے لیے جنت کے دروازے کھول دے کیونکہ تمام فتوحات سے اس کا اصل مقصد یہی تھا" محافظ نے بتلایا کہ یہ قاضی فاضل کے لکھے ہوئے الفاظ ہیں۔

میں! جب سلطان نے ممالک مصر کی حکومت ہاتھ میں لی تھی تو وہاں ایک مدرسہ بھی نہ تھا کیونکہ مصری حکومت کا مذہب امامیہ تھا وہ اس پڑھنے پڑھانے کے قائل نہ تھے سلطان نے سب سے پہلے قرافہ صغریٰ میں امام شافعی کی قبر کے پاس جو مدرسہ تھا اُسے آباد کیا اور قاہرہ میں اس مقبرہ کے قریب جو حسین بن علی کی جانب منسوب ہے۔ ایک مدرسہ بنوایا اور بہت بڑا وقف اس کے لیے مقرر کیا۔ اور "سعید سعداء خادم المصریین" کی حویلی کو خانقاہ بنا دیا اور گرانقدر وقف اسکے لئے مقرر کیا اور عباس کی حویلی جسکا ذکر ظافر عبیدی کے حالات میں گذرا ہے اور عادل بن ارسلان کی حویلی کو حنفیہ کا مدرسہ بنا دیا اس پر بھی ایک بہت بڑا گراں قیمت وقف ہے اور مصر میں جو مدرسہ زین التجار کے نام سے مشہور ہے اسکو شافعیہ کے لیے وقف کر دیا اس کا بھی بہت بڑا وقف ہے اور قاہرہ میں قصر کے اندر ایک ہسپتال بنوایا اس کا بھی بہت بڑا وقف ہے، قدس میں بھی سلطان کا بنوایا ہوا ایک مدرسہ ہے اسکا بھی بہت بڑا وقف ہے ایک خانقاہ بھی وہاں ہے مصر میں ایک مالکیہ کا مدرسہ بھی سلطان کا بنوایا ہوا ہے میں نے اپنے دل میں اس شخص کے کارناموں پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ شخص دنیا و آخرت میں بڑا خوش نصیب ہے کہ اس نے دنیا میں عظیم الشان کارنامے فتوحات و غزوات کی قسم سے یادگار چھوڑے اتنے عظیم الشان اوقاف مقرر کیے مگر ان میں سے ایک چیز بھی بظاہر اس کی طرف منسوب نہیں چنانچہ جو مدرسہ قرافیہ میں ہے اس کو لوگ مدرسہ شافعی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ خانقاہ کو خانقاہ سعید السعداء کہتے ہیں مدرسہ حنفیہ کو مدرسہ السیوفیہ کہتے ہیں جو مصر میں ہے اسے مدرسہ زین التجار کہتے ہیں اور مصر ہی میں جو دوسرا مدرسہ ہے اسے مدرسہ مالکیہ کہتے ہیں۔ فی الحقیقت پوشیدہ صدقہ یہی ہے (جس میں نام و نمود کی بو نہ ہو) اور تعجب کی بات یہ ہے کہ دمشق میں نوری ہسپتال کے متصل ایک مدرسہ

صلاحیہ اس کی طرف منسوب بھی ہو تو اسی کے لیے کوئی وقف نہیں۔ دمشق میں اسی کا بنوایا ہوا ایک مالکیہ کا مدرسہ ہے مگر وہ بھی اسکے نام سے مشہور نہیں یہ تمام نعمتیں درحقیقت اللہ پاک کے عظیم الشان احسانات ہیں۔

اس وسیع حکومت اور عظیم الشان سلطنت کے باوجود بہت زیادہ متواضع اور مہربان تھا لوگوں سے قریب، نرم دل بہت زیادہ تحمل اور مدارت سے پیش آنیوالا تھا علما اور اہل خیر سے محبت کرتا تھا انھیں اپنے پاس بلاتا تھا، انکے ساتھ اچھے سلوک کرتا تھا مکارم اور فضائل کیجانب راغب تھا عمدہ اشعار پسند کرتا تھا اور اپنی مجالس میں بار بار پڑھتا تھا چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ کثرت سے ابو منصور حمیری کے یہ اشعار پڑھا کرتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ابو محمد عامری کے اشعار ہیں جو اندلس میں شہر مریہ کا حاکم تھا اور اس کا دادا خیران منصور بن ابی عامر کے امیروں میں سے تھا بہرحال کثرت سے پڑھنے کی وجہ سے سلطان ہی کی جانب منسوب ہوگئے۔ اشعار یہ ہیں ؎

جس سے میں محبت کرتا ہوں اس کا خیال چغلخوروں سے بچتا ہوا میرے پاس آیا اور موذن صبح کی اذان دے چکا تھا۔

قریب تھا کہ میں خوشی کی وجہ سے اپنے پاس والوں کو جگا دوں اور محبت کا پردہ میرے وفور شوق سے چاک ہوجائے۔ (۱۴۲)

میری جو آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ امیدوں نے مجھے حصول تمنا کا سبز باغ دکھایا تھا لہذا ساری خوشی غم سے بدل گئی

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نشو الملک ابوالحسین علی بن مفرج المعروف بہ ابن منجم سرسی نسل مصری وطن کے ذیل کے اشعار سلطان کو اچھے معلوم ہوتے تھے بڑھاپے کے خضاب کے بارے میں کہے ہیں اور خوب کہے ہیں ؎

لوگ سفید بالوں پر ان کی برائی کی وجہ سے خضاب نہیں کرتے کیونکہ خضاب اترنے کے بعد وہ اور بھی برے ہوجاتے ہیں۔

بلکہ دراصل شباب کا انتقال ہوگیا اور اس کے ماتم میں شباب کے منازل کو سیاہ لباس پہنایا گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب "مات الشباب" (شباب مرگیا) کہتا تو اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر دیکھتا اور کہتا "ہاں بخدا شباب مرگیا"

عماد کاتب اصفہانی اپنی کتاب خریدہ میں لکھتا ہے کہ سلطان صلاح الدین نے آغاز عہد حکومت میں اپنے ایک دوست کے پاس دمشق میں یہ دو شعر لکھ کر بھیجے تھے۔

اے دور افتادہ لوگو! اگرچہ تم اپنی یاد کے اعتبار سے دل سے قریب ہو۔

جب سے تم مجھ سے دور ہوئے ہو میں بجز دل کی آنکھوں کے اپنی آنکھوں سے تمھیں نہیں دیکھتا۔

ختم شد

دُوزخ

(۱۷۳) زندگی کے دن یوں تو کتنے زیادہ ہیں اور (حقیقت میں) کتنے کم!

عمر کے طویل سال جو میں نے اس دُنیا میں بسر کیے درحقیقت میں اُن میں سے صرف ایک سال زندہ رہا اور وہ بھی اس طرح آیا اور گذر گیا جیسے "دوہری ستارہ" جو صرف ایک رات آسمان دُنیا پر نمودار ہوا اور پھر کسی کو نظر نہ آیا۔ میں نے اپنی زندگی کا پہلا نصف حصہ ایک ایسے دوست کی تلاش میں بسر کیا جو دوستوں کو ایسی للچائی نگاہوں سے نہ دیکھے جیسے ایک تاجر اپنے سامان تجارت کو دیکھتا ہو یا ایک کاشتکار اپنے جانوروں کو۔ مگر ایسا دوست مجھے میسر نہ ہوا۔ یہانتک کہ اٹھارہ سال ہوئے کہ فلاں شخص سے میری ملاقات ہوئی اور مجھے ایک ایسا شخص ملگیا کہ جو نیک اور اچھی خصلت بھی ہیں یک انسان کے لباس میں دیکھنا چاہوں اُسمیں دیکھ سکتا تھا اور انسانی کمال کی جو (روشن) تصویر بھی میں ایک انسان کے چہرہ میں مشاہدہ کرتا وہ اُس کے آئینۂ رُخ میں مجھے دُرخشاں نظر آتی تھی۔ میری نظروں میں اس کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی اور اُس نے میرے دل میں ایسا گھر کرلیا کہ اتبک کسی نے نہ کیا تھا۔ ہماری محبت کا پیمانہ بالکل صاف و شفاف تھا کوئی کدورت اُس میں خلل انداز نہ تھی آخر زمانہ کی گردشوں نے پلٹا کھایا اور اپنی قیام گاہ چھوڑنے پر مجھے مجبور کیا چنانچہ میں قاہرہ چھوڑکر وطن چلا گیا اُس عزیز دوست کی مفارقت کے سوا اور کسی چیز کا افسوس نہ تھا۔ ایک زمانہ تک خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا پھر اُس میں کچھ کمی آگئی اور آخر بالکل بند ہوگیا مجھے اس کا سخت صدمہ ہوا اور طرح

(۱۷۴) طرح کے خیالات میرے دل میں آنے لگے لیکن اُس کی دوستی اور وفاداری میں کبھی شبہ نہ ہوا جب کبھی میں اس کا حال معلوم کرنے کے لیے اس کے پاس جانیکا ارادہ کرتا ایک ایسا تاریک غم مجھے اس ارادہ سے روک دیتا جو پھر چیز حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی مجھے بیخبر کردیتا تھا آخر چند سال بعد قاہرہ واپس آیا وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلا کام میرا یہ تھا کہ میں اس دوست سے ملوں رات کے ابتدائی حصہ میں اُسکے گھر گیا وہاں میں نے وہ منظر دیکھا جسکی (حسرت کی) یاد ابتک میرے دل میں باقی ہے۔

میں نے اس گھر کو ایک چھوٹی سی جنت کی شکل میں چھوڑا تھا جہاں خوش نصیبی اپنی تمام دل فریبیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی، اس میں رہنے والوں کے چہروں پر مسرت و نشاط کی لہریں دوڑ رہی تھیں پھر آج جو میں نے اُسے دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک وحشتناک قبرستان میں ہوں جہاں نہ کسی بولنے والے کی آواز آتی ہے اور نہ کہیں کسی آدمزاد کی شکل نظر آتی ہے نہ کسی کونے میں کوئی چراغ روشن ہے۔ میں سمجھا کہ شاید میں گھر بھول گیا یا میں کسی خالی مکان کے سامنے کھڑا ہوں آخر ایک چھوٹے بچے کے رونے کی آواز آئی اور ایک روشندان میں ہلکی سی روشنی دکھائی دی تو میں دروازے کی جانب بڑھا دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی جواب نہ آیا دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا تب دروازے کی درازوں میں سے روشنی آتی نظر آئی اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک چھوٹا سا بچہ نظر آیا پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ٹمٹماتا ہوا چراغ ہاتھ میں لیے۔ چراغ کی روشنی میں غور سے دیکھا تو باپ کی شباہت چہرہ پر نظر آئی تب

میں نے پہچانا کہ یہی وہ ناز پر وردہ بچہ ہے جو گل اس گھر کا پھول اور چودھویں رات کا چاند تھا۔ تب میں نے
اس سے اس کے باپ کا حال پوچھا اس نے مجھے اندر آنیکا اشارہ کیا اور چراغ لے کر میرے آگے چلنے لگا یہانتک (۱۷۵)
کہ ایک خراب وخستہ غبار سے اٹے ہوئے ہال میں مجھے لیگیا جس کی کرسیاں اور پردے پرانے ہو چکے تھے اگر در و
دیوار پر کچھ مٹے ہوئے نشانات جس طرح ہاتھ کی کھال پر گودنے کے نشانات رہجاتے ہیں نظر نہ آتے تو میں
پہچان نہ سکتا کہ یہ وہی ہال ہے جس میں ہم نے عیش وعشرت اور خوش نصیبی کے بارہ چاند دیکھے ہیں۔ لڑکے سے مختصر سی
گفتگو ہوئے جس سے وہ پہچان گیا کہ میں کون ہوں اور مجھے معلوم ہوگیا کہ اس کا باپ ابتک گھر واپس نہیں آیا اور
عنقریب آنیوالا ہے۔ پھر مجھے چھوڑ کر اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور کہنے لگا کہ میری والدہ آپ سے
میرے باپ کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہیں میرا دل خوف وہراس سے دھڑکنے لگا اور ایک نامعلوم سا خطرہ محسوس ہوا
پھر جو میں نے دیکھا تو سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی ایک عورت دروازے کی چوکھٹ سے لگی کھڑی ہے
اس نے مجھے سلام کیا میں نے سلام کا جواب دیا اور پھر کہا تمھیں معلوم ہے؟ تمھارے جانے کے بعد زمانہ نے فلاں
شخص کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے کہا نہیں، سات سال کی جدائی کے بعد آج پہلا دن ہے کہ میں اس شہر میں آیا ہوں
کہنے لگی اچھا ہوتا کہ تم اس سے جدا نہ ہوتے کیونکہ تم اس کے لیے پشت پناہ تھے جس کے باعث وہ محفوظ تھا اور
تمھاری ذات اس کے لیے زمانہ کے خطرات اور ہلاکتوں سے بچنے کے لیے ایک چہار دیواری تھی جس میں وہ پناہ گزیں
تھا۔ تمھارے جاتے ہی اوباشوں کے ایک گروہ نے اسے گھیر لیا۔ تم جانتے ہو وہ ایک سادہ لوح بھولا بھالا نوجوان تھا (۱۷۶)
شیطانوں کی وہ جماعت برابر اس کو برائی پر اکساتی رہی اور شیطان کی طرح سبز باغ دکھلاتی رہی یہانتک
کہ وہ خود بھی اس گڑھے میں گرا اور ہم سب بھی اس بربادی و بدنصیبی کے گڑھے میں گرے جس میں تم دیکھ رہے ہو
میں نے کہا محترم خاتون کیسی تباہی اور کیسی بربادی یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کن شیطانوں نے اسے گھیر لیا اور دھکا
دیدیا؟ اس نے کہا (گھبراؤ نہیں) میں پورا قصہ تم سے بیان کیے دیتی ہوں۔

میرا خاوند بہت اچھی زندگی بسر کر رہا تھا کہ اس کے دفتر کے افسر اعلیٰ فلاں صاحب سے اس کا میل جول ہوا
اور دوستانہ تعلقات دونوں طرف سے مستحکم ہوگئے اور وہ اسکے ایسے ہم پیالہ و ہم نوالہ اصحاب میں شامل ہوگیا
جو کہیں بھی ہو، اس کی مجلس سے الگ نہیں ہوتے اور صبح شام ہر وقت اس کے پیچھے پیچھے لگے پھرتے ہیں۔
اس دن سے اس کی حالت بدلنی شروع ہوئی اخلاق وعادات میں تبدیلی ہونے لگی بیوی بچوں سے بے تعلق
رہنے لگا کبھی وقت بیوقت نظر اٹھا کر دیکھ لیا اور بس، گھر سے بھی الگ رہنے لگا رات گئے کسی وقت گھر آجاتا
آجاتا۔ میں شروع میں اس افسر اور ان کے گہرے تعلقات کو اور اس قدر و منزلت کو جو افسر کے دل میں انکی
پیدا ہوگئی تھی قابل رشک سمجھتی تھی اور ان تعلقات کے پس پردہ میں اس کے لیے بہت سی منفعت کی توقع

رکھتی تھی اور اس سلسلے میں جو پریشانی اور تکلیف مجھے ان کے علیحدہ رہنے اور مجھ سے اور بچوں سے بے خبر رہنے میں اٹھانی پڑتی تھی اس کو نظر انداز کرتی تھی یہاں تک کہ ایک روز رات کو بہت زیادہ نالاں، آزردہ خاطر، سخت اذیتوں اور شدید تکالیف کہ جھیلے ہوئے گھر میں آیا میں جو پاس گئی تو ایک دم شراب کی بو اُس کے پاس سے آئی تو میں
سب کچھ سمجھ گئی۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ حاکم اعلیٰ جو اپنے ماتحتوں کے واسطے مقتدا ہو نیکی کا راستہ چلے تو نیکی میں اور (١٧٧)
اگر بدی کی راہ اختیار کرے تو بدی میں۔ اُسی نے میرے سادہ لوح خاوند کو اس مضر ترین راستہ پر چلایا ہوا اور بدترین راہ پر ڈالا ہوا ور جیسا کہ ہمارا خیال تھا اس نے میرے خاوند کو اپنا دوست نہیں بنایا تھا بلکہ شراب و کباب کا ہمدم اور بادہ خوار بنایا تھا۔ میں اُس کے دونوں ہاتھ ہاتھوں میں لے کر اتنی روئی جتنی کوئی غمگین آنکھ رو سکتی ہو اس اُمید پر کہ وہ اپنی پہلی زندگی جس میں خوشی و خرمی کے ساتھ اپنے بیوی بچوں میں رہتا تھا اختیار کرے مگر سب بیکار کوئی نتیجہ نکلا

پھر مجھے معلوم ہوا کہ جو ہاتھ اُسے شراب کی جانب لے گئے تھے وہی اُس کو جوئے کی طرف بھی لے گئے مجھے اس پر کچھ تعجب نہ ہوا کیونکہ برائیوں کا راستہ ایک ہی ہے جو کوئی اس کے ایک کنارے پر کھڑا ہوگا وہ یقیناً اُس کے نشیب میں گرے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عالی نسب شریف نوجوان جو کل دوا میں شراب کی بو پا کر اُسے نہیں پیتا تھا اور ایسے مجمع میں بیٹھے ہوئے اُسے شرم آتی تھی جس میں کوئی شرابی ہو اعلیٰ درجہ کا مے نوش بڑے درجہ کا جوئے باز، بے شرم بن گیا نہ عزت و آبرو کا پاس کرتا تھا نہ کسی چیز سے شرماتا نہ کسی جرم اور گناہ سے پرہیز کرتا تھا۔

اور وہ مہربان باپ اور شریف خاوند، جو اپنی اولاد پر گرد و غبار تک نہ بیٹھنے دیتا تھا اور بیوی پر آسمان
کی ترچھی نگاہ بھی نہ برداشت کر سکتا تھا، بے رحم باپ اور زبان دراز شوہر بن گیا بچے پاس آتے ہیں تو انھیں مارتا (١٧٨)
ہے بیوی قریب آتی ہے تو گالیاں سناتا ہے اور جھڑکیاں دیتا ہے اور وہ غیرت دار عزت و آبرو کو جان سے زیادہ عزیز رکھنے والا انسان اب ایسا (بے عزت اور بے حمیت) ہو گیا کہ اُسے اب اس میں بھی کوئی باک نہیں کہ وہ رات کے کسی حصہ میں اپنے اوباش دوستوں کے جھرمٹ میں گھر آئے اور جس منزل میں میں اور میرے بچے سوتے ہوں انہیں چڑھ آئے اور وہ سب کے سب کسی بالا خانہ میں بیٹھیں اور شراب کے جام کے جام چڑھاتے رہیں اور تالیاں بجاتے رہیں یہاں تک کہ شراب کے نشے میں ان کے ہوش و حواس غائب ہو جائیں دُند مچانے لگیں ناچنے کودنے لگیں اُن کی چیخ پکار سے کمرے کی تمام فضا بھر جائے کمروں اور برآمدوں میں ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے دوڑے پھریں یہاں تک کہ میرے کمرے کے دروازہ میں گھس آئیں اُن میں سے کوئی مجھے گھورے کوئی میرا دوپٹہ اُتارنے کا قصد کرے اور میرا خاوند سب کچھ دیکھتا اور سنتا رہے اور کچھ نہ بولے اور کوئی حرکت اُسے ناگوار نہ گذرے مجبوراً میں اُن کے سامنے مکان کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں بھاگتی پھروں اور بعض دفعہ بغیر دوپٹہ اور بغیر چادر کے ننگے سر گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہوں رات کی تاریکی ہی دوپٹہ ہو اور وہی چادر یہاں تک کہ کسی پڑوسن کے گھر

پناہ لوں اور باقی رات اس کے پاس بسر کروں۔

یہاں آکر اس کی آواز بھرا گئی اور بولتے بولتے رک گئی، سر جھکا لیا میں سمجھ گیا کہ وہ رو رہی ہے میں بھی دل ہی
دل میں رونے لگا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور سلسلہ کلام جاری کیا چند سال ہی گزرے تھے کہ جو کچھ سرمایہ تھا سب ختم ہو گیا (۱۷۹)
آخر قرض لینے پر مجبور ہوا چنانچہ قرض لیا جب قرض کا بار زیادہ ہو گیا تو جائداد رہن رکھی جب روپیہ ادا نہ ہو سکا تو تمام
جائداد بیچ دی یہاں تک کہ یہ گھر بھی جس میں ہم رہتے ہیں اور بجز ماہوار تنخواہ کے اور کچھ پلّے نہ رہا بلکہ کچھ بھی نہ رہا کیونکہ ماہوار
تنخواہ بھی چند ساعت کے لیے اس کے ہاتھ میں رہتی اور پھر قرضخواہ کے پاس پہنچتی یا جواریوں کے ہتّے چڑھتی۔

یہ تو زمانہ کے ظالم ہاتھوں نے اس کے ساتھ کیا باقی رہی میں اور میری اولاد سو ایک سال ہو چکا کہ میں نے اپنا
زیور ایک ایک کر کے بیچ دیا اور سود خواروں اور رہن رکھنے والوں کی دوکانیں میرے کپڑے اور گھر کے ساز و سامان
سے بھری ہوئی ہیں اگر میرا ایک مفلوک الحال رشتہ دار نہ ہوتا جو کبھی کبھی کچھ تھوڑا بہت اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر مجھے
دیجاتا ہے تو میں اور میرے بچے بالکل بھوکے مر جاتے۔

اب میرے بھائی شاید تم اس غریب کی اصلاح کے سلسلہ میں میرے دست و بازو بن سکو اور مناسب تدبیر سے اس بدبختی
اور وبال سے اسے نکال سکو۔ تمہارا جس قدر اس پر اثر ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے میرا خیال ہے کہ تم ہی یہ کام کر سکتے ہو جس سے
سب لوگ عاجز آ گئے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ اس پر اور مجھ پر تمہارا وہ احسان ہوگا کہ مرتے دم تک ہم نہ بھولیں گے
اس کے بعد سلام کیا اور چلی گئی۔ میں نے لڑکے سے دریافت کیا کہ میں تمہارے باپ سے گھر پر کس وقت مل سکتا (۱۸۰)
ہوں اس نے کہا صبح کچہری جانے سے پہلے یہ دریافت کر کے میں اپنے کام سے چلا آیا مگر میں اپنے پہلو میں ایک سوزش
پا رہا تھا جس نے برابر مجھے بے چین کر رکھا تھا اور میری آنکھوں سے نیند اڑا دی تھی یہاں تک کہ رات کٹی تو مگر کاٹے نہیں
کٹتی تھی۔

پھر اگلے روز صبح میں اپنے اس پرانے دوست سے ملنے کے لیے آیا جس کی وجہ سے میں کل تک سب سے زیادہ
خوش نصیب انسان تھا مگر اب معلوم نہیں کہ میرا طرز عمل اس کے ساتھ کیا ہوگا میرے دل میں وہی اضطراب اور بے چینی
تھی جو اس شخص کے دل میں ہوتی ہے جو دوڑ کے میدان کی طرف جاتا ہے اور اس نے اپنی تمام پونجی کی بازی لگا
رکھی ہے نہیں جانتا کہ تھوڑی دیر بعد وہ ایک خوش نصیب انسان ہوگا یا بدنصیب۔

آج میں سمجھا کہ چہرے دل کے آئینے ہیں دل اگر روشن ہوتا ہے تو چہرہ بھی روشن ہوتا ہے اور اگر دل تاریک
ہوتا ہے تو چہرہ بھی سیاہ۔ سات سال سے میں اس سے جدا تھا طول ایام نے اس کی صورت بالکل بھلا دی تھی
اور میری قوت حافظہ میں صرف ایک بزرگی اور عظمت کا چمکتا ہوا نور باقی رہ گیا تھا جو اس کے چہرے میں ایسا ہی
درخشاں تھا جیسے آفتاب میں نور اب جو میں نے اسے دیکھا اور مجھے وہ چمکتا ہوا نور نظر نہ آیا جس کو میں پہچانتا تھا تو

(۱۸۱) مجھے خیال ہوا کہ میں اس گذشتہ صورت کے سوا کوئی اور صورت دیکھ رہا ہوں اور اس پہلے شخص کے سوا جسے میں پہچانتا ہوں، کسی اور شخص کو دیکھ رہا ہوں مجھے وہ روشن رُخ خوبصورت نوجوان نظر نہ آیا جس کے چہرہ کا ہر رواں ایک ہنستا ہوا موتی تھا جس میں روشن تبسم کی لہریں موجزن تھیں بلکہ اس کی جگہ ایک بدبخت و بدنصیب انسان دیکھا جس نے بڑھاپے کا لباس وقت سے پہلے پہن لیا تھا اور تیس سال پورے ہونے سے پہلے وہ ساٹھ سال کا ہوگیا تھا بھویں لٹک گئی تھیں، پلکیں بھاری ہوگئی تھیں، نگاہیں بے نور ہوگئی تھیں، رخسار ڈھلک گئے تھے، پیشانی پر سلوٹیں پڑگئی تھیں کھوے آگے کو نکل آئے تھے، سر گیدڑ کی طرح دونوں مونڈھوں کے اندر گھس گیا تھا میں نے دیکھتے ہی کہا "تمھاری ہر چیز بدل گئی حتیٰ کہ صورت بھی" وہ گویا میرے اندرونی جذبات کو بھانپ گیا اور سمجھ گیا کہ میں اس کے تمام حالات سے واقف ہوں لہٰذا اس نے اُس شخص کی طرح سر جھکالیا جو زمین کے اوپر رہنے سے زمین کے اندر رہنا بہتر سمجھتا ہو، مگر اس نے زبان سے کچھ نہ کہا، میں آگے بڑھا اور پاس جاکر کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا بخدا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تجھسے کیا کہوں؟ میں تجھے نصیحت کروں، حالانکہ تو کل خود میرا ناصح تھا اور رہبری کا ستارہ جس سے میں زندگی... کی تاریکیوں میں نور حاصل کرتا تھا، یا میں اُن فرائض کو یاد دلاؤں جو اللہ پاک نے خود تیری ذات اور اہل و عیال سے متعلق تجھ پر واجب کیے ہیں حالانکہ مجھے کوئی ایسی بات نہیں معلوم جسے تو نہ جانتا ہو کوئی عبرت ایسی نہیں جو تیری دسترس سے باہر ہو، یا میں عاجزانہ اپنے بچوں اور مصیبت زدہ دُکھیاری بیوی کے لیے تجھ سے رحم کی درخواست کروں جن کا زندگی میں تیرے سوا کوئی سہارا اور مددگار نہیں حالانکہ تو ایسے مہربان دل کا مالک ہے جو اجنبیوں کے لیے مہربان ہوجاتا ہے تو اپنوں کے لیے تو ضرور مہربان ہونا چاہیے (۱۸۲)

میرے آقا جو زندگی تم بسر کر رہے ہو یہ تو ان ناکارہ اور بیکار لوگوں کی زندگی ہے جو کسی ایسے کام کے اہل نہیں جس سے شرم و حیا کے باعث اپنی پردہ پوشی کرسکیں یہاں تک کہ موت آتی ہے اور اُنھیں عار و بدبختی سے نجات دیتی ہے" اور تم یقیناً اُن میں سے نہیں ہو۔ میرے عزیز تم گور کا راستہ طے کر رہے ہو حالانکہ نہ تم دنیا سے نالاں اور نہ اس سے تنگ دل پھر ایک مایوس خودکشی کرنے والے کی طرح دُنیا سے جانے کی خواہش تمھیں کیوں ہے۔

میں تمھیں معذور سمجھتا اگر آنیوالی زندگی کا سرمایہ تمھاری اس زندگی کے خسارہ کو پورا کردیتا، حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ تم غنی تھے اب فقیر ہوگئے، شریف تھے اب کمینے بن گئے۔ اگر اب بھی تم خود کو خوش نصیب سمجھو تو پھر کوئی روئے زمین پر بدبخت نہ رہے گا۔

تمھاری اس زندگی میں جو چیز بھی موت کے لیے معاون بن سکتی ہے اُسے ایک زہر کا گھونٹ پی کر حاصل کرو یا اس گھٹ گھٹ کر آنیوالی موت سے بہتر ہے جس میں دُکھ اور تکلیف بھی زیادہ اور جرائم بھی زیادہ اور جو سزا اللہ پاک دوسرے عالم میں دیگا وہ اس سزا سے بہت زیادہ ہوگی جو اس عالم میں دے رہے ہیں۔ (۱۸۳)

میرے پیارے دوست اُدھی بدبختی اس زندگی میں کیا کچھ کم ہے جو قضا و قدر کے ہاتھوں آتی ہے کہ ہم اس کیساتھ

اور نئی نئی بدبختیوں کا خود اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے اضافہ کرلیں لاؤ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو اور مجھ سے عہد کرو کہ آج سے تم میرے واسطے ایسے ہی بن جاؤگے جیسے کل تھے اس لیے کہ ہم اس طویل مفارقت سے پہلے خوش نصیب تھے پھر جدا ہوئے اور بدنصیب بن گئے اب ہم پھر وہی دو دوست مل بیٹھے ہیں لہذا ہمیں چاہیے کہ عظمت وجلال کے سایہ میں جیسے پہلے خوش نصیب زندگی بسر کرتے تھے ایسے ہی اب بھی بسر کریں۔"

میں نے اُس کی جانب ہاتھ بڑھایا مگر میری حیرت اور دہشت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ اُس نے ہاتھ بھی نہ ہلایا، میں نے کہا "کیا بات ہے تم ہاتھ کیوں نہیں بڑھاتے؟ اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اور کہا "میں جھوٹا اور عہد شکن نہیں بننا چاہتا" میں نے کہا "عہد پورا کرنے سے تمھیں کون روکتا ہے؟ اُس نے کہا "یہ بات روکتی ہے کہ میں وہ بدنصیب انسان ہوں جسکا نیک بختوں کی سعادت میں کوئی حصہ نہیں" میں نے کہا تم بدبخت تو بن سکتے تھے نیک بخت کیوں نہیں بن سکتے؟ اُس نے کہا نیک بختی آسمان ہے اور بدبختی زمین اور زمین پر اُترنا آسمان پر چڑھنے سے سہل ہے میرے قدم غار کے کنارے سے پھسل چکے ہیں اب میں تہ میں پہنچے بغیر نہیں رُک سکتا۔ میں تلخ زندگی کا پہلا گھونٹ پی چکا ہوں تو اب آخری گھونٹ تک پینا میرے لیے ضروری ہے میرے راستے میں ایک ہی چیز رُکاوٹ پیدا کرسکتی تھی اور وہ یہ کہ میں نے پہلا جام ہی نہ پیا ہوتا اور ہمارا اس پر کاربند رہتا (مگر ایسا نہ ہوا) اب تو جو خدا نے مقدر میں لکھ دیا اُس سے مفر نہیں" میں نے کہا "اُن تمام برائیوں سے بچنے کے لیے صرف ایک پختہ عزم کی ضرورت ہے جس کے کرتے ہی تم نجات پا جاؤگے" اُس نے کہا "عزم راسخ ارادہ پر مبنی ہے اور میں اب ایک ایسا مغلوب الحال شخص بن گیا جسکا نہ کوئی ارادہ ہے نہ اختیار۔ اب تو میرے عزیز دوست تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو تقدیر میرے ساتھ جو چاہے سو کرے اور آج کے بعد اپنے ایک پرانے دوست پر آنسو بہاؤ اگر تم بدنصیب گنہ گاروں پر رونے میں کوئی گناہ نہیں سمجھتے ہو۔" (۱۸۴)

پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور مجھے وہیں چھوڑ کر ایک لفظ کہے بغیر جس طرف کو مونھ اُٹھا چلدیا۔ مجھے معلوم نہیں کہاں گیا میں بھی واپس آگیا مگر میرے پہلو میں ایک ایسا درد اور دُکھ تھا کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

افسرِ بالا اپنے کل کے ہمنشین کا بار زیادہ نہ برداشت کرسکا پہلے تو اُکتا کر اُسے اپنی مجلس سے نکالا اور پھر اس کے کام میں خرابی پیدا کرکے نوکری سے الگ کردیا اور اپنے سامنے اس کا یہ زبون منظر دیکھ کر اس کی آنکھ سے ایک آنسو کا قطرہ بھی نہ نکلا گھر کے نئے مالک نے بھی پرانے مالک کو چند روز سے زیادہ نہ رہنے دیا اور پھر وہاں سے نکالدیا آخر اس نے خود مع اپنی بیوی اور دونوں بچوں کے ایک غیر آبادگی کے ایک پرانے سے جھونپڑے میں پناہ لی اب وہ مجھے صرف شرابخانہ آتا جاتا نظر آتا، اگر جاتے ہوئے میں اُسے دیکھتا تو اپنا مونھ اُس کی طرف سے پھیر لیتا اور اگر واپس آتے ہوئے دیکھتا تو اس کے پاس جاتا اور مونھ پر لگی ہوئی مٹی یا پیشانی سے بہا ہوا خون جھاڑ دیتا اور ہاتھ پکڑ کے گھر پہنچا آتا۔ اسیطرح مہینے اور سال اُس شخص کے تن و توش اور عقل و خرد کو فنا کرتے رہے یہاں تک کہ اب جو کوئی اُسے دیکھتا تو وہ ایک چلتا پھرتا سایہ (۱۸۵)

یا گھومتا پھرتا خواب نظر آتا راستہ میں بیجز اور حیران و سرگرداں شخص کی طرح جاتا اور آس پاس کی کسی چیز کی اُسے خبر نہ ہوتی کوئی چیز سامنے آجاتی تو اُس سے اُس وقت تک نہ بچتا جبتک کہ وہ بالکل پاس نہ آجاتی ذرا ذرا دیر بعد ٹھہر جاتا اور ادھر اُدھر گھور کر دیکھتا گویا کوئی چیز گم ہوگئی ہو اُسے تلاش کر رہا ہو حالانکہ اُس کے پاس تھا کیا جو گم کرتا یا اپنے کپڑوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا حالانکہ اس کے تن پر پھٹے ٹوٹے چیتھڑوں اور پیوندوں کے سوا اور کیا تھا۔ جو کوئی سامنے آتا اس کی طرف گھور گھور کے دیکھتا گویا کوئی ناگوار شخص اس کے سامنے ہو حالانکہ اس کا کوئی دشمن نہ دوست کبھی کبھی بچے اُس کے کاندھوں پر چڑھ جاتے تو آہستہ سے بے پرواہی کے ساتھ اُنھیں ہٹا دیتا جیسے کوئی گہری نیند میں سونیوالا جگانیوالا کا ہاتھ اپنے کاندھے سے جھٹک دیتا ہو۔ آخر جب اس کا پیٹ شراب کی
سے خالی ہوتا اور شراب کی تیزی دماغ سے اُتر جاتی تو شرابخانہ جاتا اور برابر پیتا اور خوب پیتا یہاں تک کہ پھر پہلی سی حالت ہوجاتی (۱۸۷)
غرض چند ماہ تک یہی رفتار رہی یہاں تک چند ماہ بعد آنیوالا واقعہ پیش آیا۔

وکیلیا بیوی روزی کا وسیلہ پیدا کرنے سے عاجز آگئی تھی اور دونوں بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے روتا ہوا دیکھ کر خود بھی روتی تھی اُن کے آنسو اس حالت کی ترجمانی کرتے تھے جن کو زبان نہ ادا کرسکتی تھی لہذا وہ بھی اُسی راستہ کے اختیار کرنے پر مجبور ہوئی جسے ایسے وقت میں مجبور و ناچار لوگ اختیار کیا کرتے ہیں چنانچہ اس نے اپنے دونوں بچوں کو کسی کے گھر نوکر رکھا دیا خود اپنا پیٹ بھی بھرتے اور ماں کا پیٹ بھی پالتے مگر اب وہ بچے کبھی کبھی نظر آتے اور خاوند بھی رات کو جب پولیس کی نظر بچ جاتی تو نظر آجاتا جو بہت کم ہوتا تھا۔ لہذا اب وہ مصیبت کی ماری اپنی کوٹھری میں بالکل اکیلی پڑی رہتی نہ کوئی مونس نہ ہمدم بجز ایک بڑھیا کے جو کبھی کبھی اس کے پاس آیا جایا کرتی تھی۔ جب پڑوسن بڑھیا چلی جاتی اور اکیلی ہوتی تو اپنی خوش نصیبی کے وہ دن یاد کرتی جبکہ وہ خوشگوار زندگی اور عیش و عشرت کی گود میں شریف خاوند اور چمکتے ہوئے تاروں جیسے حسین و خوبصورت بچوں کیساتھ کھیلا کرتی
تھی پھر اُسے خیال آتا کہ کس طرح سردار محکوم اور خادم مخدوم اور شریف عزت والا ذلیل و خوار بن گئے اور کس طرح وہ موتیوں کا (۱۸۸)
ہار ٹوٹ کر بکھر گیا جو زمانہ کے گلے کا بیش قیمت زیور تھا اور پھر ٹوٹ کر اُس کے موتی خاک پر پڑے ہوئے سنگریزے بن گئے جنکو جوتیاں پامال کرتی ہیں اور جانوروں کے کُھر اور چلنے والوں کے پیر روندتے ہیں تو اس طرح روتی جیسے کوئی پردیس جانیوالوں کے بعد ان کا عزیز بلک بلک کر روتا ہو یہاں تک روتی کہ خود کو فنا کر دیتی یا قریب فنا پہنچا دیتی۔ یہ سب کچھ تھا مگر اُس نے کبھی اپنے دل میں اس شخص کی عداوت کو جگہ نہ دی جو اُس کی اور اُس کے بچوں کی تباہی و بربادی کا باعث تھا اور نہ ہی کبھی ناراضگی اور علیحدگی کا خیال اُس کے جی میں آیا کیونکہ وہ ایک شریف عورت تھی اور کوئی شریف عورت اپنے فلاکت زدہ شوہر سے غداری نہیں کرتی بلکہ اُسے اس طرح دیکھتی ہے جیسے شفیق ماں اپنے چھوٹے سے بچے کو دیکھتی ہو اور اس پر جان دیتی اور قربان ہوتی ہو اگر بیمار ہوتا تو اس کے پاس بیٹھ کر رات کاٹ دیتی اگر زخمی ہوتا تو زخموں کی مرہم پٹی کرتی بہت سی مرتبہ رات کو شراب فروش اس کے پاس قیمت شراب نہ پاکر اُسے شراب خانہ سے نکالدیتا اور وہ خستہ حال بھیگا بھیگا گھر آتا اور سختی کیساتھ شراب کا متلاشی ہوتا تو اس غریب کے لیے اسکے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ غایتِ شفقت کی وجہ سے اور اُسکی رہی سہی عقل پر ترس کھا کر گھر کا خرچ اُسے دیدیتی یا خود اتنی شراب خرید کر

لا دیتی کہ اسے سکون ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہو کہ زمانے نے اس غریب کے ناتواں کاندھوں پر تباہی و بربادی کا جو جوا رکھا تھا اس پر ہی بس
نہ کی بلکہ ایک نیا بار اُس میں اضافہ کردیا کہ ایک روز اُسے اپنے پیٹ میں کوئی جاندار چیز حرکت کرتی معلوم ہوئی اور اب اُسے معلوم (۱۸۸)
ہوا کہ وہ حاملہ ہے اور عنقریب افلاس و بدبختی کی دُنیا میں ایک نئے بدنصیب کا اضافہ کرنیوالی ہے تو بے ساختہ پھوٹ پھوٹ کر رونے
لگی اور خدا سے فریاد کرنے لگی کہ اے خدا رحم! پیمانہ لبریز ہوچکا اب اس میں ایک قطرہ کی بھی گنجائش نہیں۔ غرض حمل کی وہ تکالیف
جو ایک بیمار مصیبت زدہ عورت کو اُٹھانی چاہئیں سہتی رہی یہاں تک کہ وضع حمل کا وقت آگیا اور اس نازک وقت میں بجز بوڑھی
پڑوسن کے اور کوئی اس کے پاس نہ تھا خدا نے مدد کی بچہ تو پیدا ہوگیا مگر نفاس کا نہایت تیز بخار چڑھ آیا کوئی ایسا طبیب نہ ملا جو
اللہ واسطے اس کا علاج کرتا کیونکہ جس شہر کے ڈاکٹر خود اپنے علاج سے مریض کو ہلاک کرنیکے بعد مرنے والے کے رشتہ داروں سے
فیس مانگنے میں شرم نہ کریں وہاں بھلا محسن اور اللہ واسطے علاج کرنے والے ڈاکٹر کہاں میسر آسکتے ہیں موت آہستہ آہستہ اُسکے
قریب آرہی تھی آخر خدا کی رحمت نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایسی حالت میں موت نے اُسے اپنے آغوش میں لے لیا کہ سوائے ننھی سی بچی
کے جس نے ماں کا دودھ مونھ میں لے رکھا تھا اور کوئی اُس کے پاس نہ تھا اُس وقت وہ خانماں خراب انسان ڈڑوکتا شراب
مانگتا گھر میں آیا بیوی کو اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگا تاکہ جو وہ چاہتا ہو وہ لائے تمام کرے میں ڈھونڈا آخر دیکھا کہ چٹائی پر پڑی ہے
اور بچی اس کے پاس رو رہی ہے سمجھا کہ سوگئی پاس گیا اور بچی کو دور اُٹھا پھینکا اور خوب زور زور سے اُسے جھنجھوڑنا شروع کیا
جب دیکھا کہ یہ تو ہاتھ پیر نہیں ہلاتی تو کچھ شبہ ہوا اور ایک کپکپی اُسے محسوس ہوئی جو ہاتھ پیروں سے چڑھ کر دل تک پہنچی اور اب
اُس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلنے لگیں پھر جھکا اور گھور گھور کر اس کے چہرے کو دیکھنے لگا اور آہستہ آہستہ اُس کیطرف بڑھنے لگا
یہاں تک کہ مرحومہ کی اُبھری ہوئی آنکھوں سے موت گھورتی ہوئی نظر آئی خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے پیچھے ہٹنے لگا ہٹتے (۱۸۹)
ہٹتے بچی کے سینہ پر پیر پڑا ایک دردناک ننھی سی چیخ نکلی اور اس کے بعد ذرا سی حرکت بھی نہ ہوئی (دیوانوں کی طرح) زور
سے ایک چیخ ماری اور کہا ہائے بدبختی ہائے بدنصیبی اور پاگلوں کی طرح جسطرف کو مونھ اُٹھا چلدیا راستوں اور گلیوں میں وحشیوں
کیطرح بھاگا بھاگا پھرتا تھا ستونوں اور دیواروں سے سر دے دے کر مارتا تھا آدمی یا جانور جو کوئی بھی سامنے آجاتا اسی کو
ٹکریں مارتا اور چیختا ہائے میری بچی! ہائے میری بیوی! آؤ تم سب میرے پاس آؤ میری خبر لو دوڑتے دوڑتے بیدم ہوگیا زمین
پر گر پڑا ایڑیاں رگڑنے لگا اور نیم بسمل جانور کی طرح دم توڑنے لگا لوگ اُس کے اردگرد کھڑے افسوس کررہے تھے اس
لیے نہیں کہ وہ اُسے جانتے تھے بلکہ اس لیے کہ اس کی پیشانی سے وہ بدبختی کی آیتیں پڑھ رہے تھے۔

یہ چھوٹی سی گھڑی جس میں طویل بیہوشی سے ہوش میں آیا اُس نے رہی سہی عقل بھی کھو دی گھنٹہ دو گھنٹہ بھی نہ گذرے
تھے کہ ہسپتال کے ہال میں ہتھکڑیاں بیڑیاں پہنے ہوئے پایا گیا۔ کس قدر قابل رحم تھا وہ اور اس کی شہید بیوی اور
بچھڑی ہوئی بچی اور دربدر ٹھوکریں کھانے والے فقیر بچے۔ ختم شد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۶	سبرہ	مغیرۃ
〃	۲۱	مرجائے	مرجائے خضری ج ۱
۳	۱۶	راشدین	راشد بن
〃	۲۵	تھوڑنے	تھوڑے سے
۴	۳	سے (بیروب	سے بیر (دن
۵	۱۶	دریائی	(دریائی)
۶	۶	بھر	بھر
〃	۲۰	با ایک	یا ایک
〃	۲۵	مندر کی سیدہ	(مندر کی سیدہ)
۷	۷	سنہ ۹۳ میں	(سنہ ۹۳ میں)
〃	۸	بچاری	دو بچاری
〃	۲۱	تہیان	سہبان
〃	۲۳	زبردست	(زبردست)
۱۰	۵	ساٹھ لاکھ	بعض لوگ ستین الف الف کا ترجمہ ۶ کروڑ کرتے ہیں اس حساب سے عشرین مائۃ الفٍ کا ترجمہ بارہ کروڑ ہوگا۔
〃	۱۸	صالح میں	صالح بن
۱۱	۲۰	پادشان	بادشاہان
۱۳	۳	چالیس لاکھ	یہاں بھی بعض لوگ ۴ کروڑ ترجمہ کرتے ہیں۔
〃	۵	بخششوں	بہت بخششوں
〃	۱۰	سے حد	سے اُن پر حساب
۱۵	۳	جا پھنسا	جا پھنسا
〃	۱۴	(اور) باغی	(اور باغی)
۱۶	۲۰	لکڑی	بعض لوگ ساج کا ترجمہ چادر کرتے ہیں اگرچہ لغت میں ساج کے معنی طیلسان کے لکھے ہیں لیکن کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتا ہندوستان کے سال یا ساگون کی لکڑی کا شہتیر ایک تحفہ ہے۔
۱۷	۲	پجاریوں	پجاریوں
۱۸	۵	برجان وافی	انتہا رجحان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹	۱	اٹھے	اٹھنے
۲۰	۹	پیٹھ	پیٹ
۲۱	۷	(چہرہ)	چہرہ
۲۲	۳	ترجمہ اشعار	(۲) اے دولت کے حریص اور اُس کی گھات میں بیٹھنے والے (۲) تو جس کوشش میں منہمک ہے اُس کے اندر اعتدال نہیں (۳) بیشک تیری یہ دُنیا تو اس میں ہمیشہ نہ رہیگا (۴) اس کا کچھ حصہ تیرے واسطے کافی ہے کیونکہ تو بیٹھنے والوں کے واسطے کوشش کرنے والا ہے۔
۲۳	۱۹	بلخ	سیستان
〃	۲۱	کے لیے گیا	کے لیے بازار کی جانب چلا
〃	۲۲	ایسی آواز	ایسی غمگین آواز
۲۴	۱	ایا	لیا
〃	۳	ریگستانی	سنگلاخ (پتھریلی)
〃	۱۳	چشم بیمار	ننگا ہوں
〃	۱۹	خبطیوں کی سی باتیں کرتا	ہوس کا دامن پھیلائے
〃	〃	نہیں ہیں	نہیں بلکہ ہیں
		انکے رستوں	یہاں سے گھس گیا" تک یہ دونوں فقرے جدید ایڈیشن میں نہیں مصری نسخہ میں ہیں اُسی سے ترجمہ کیا ہے
〃	۲۰	جن کو الخ	اس فقرہ کی ترتیب بدل لیجیے
〃	۲۱	جن کا الخ	اس فقرہ کی بھی ترتیب بدل لیجیے۔
〃	〃	کات	مان
〃	۲۵	جھیلنی	جھیلنی
۲۵	۱	پھندا اتھاری	پھندا اپنی گردن سے اُتار کر تمھاری
〃	۱۴	قریضہ	فریضہ
〃	۱۹	کنارے سیاہ ہو گئے	مونچھیں نکل آئی تھیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵	۲۰	مونچھیں نکل آئی تھیں	کنارے سیاہ ہو گئے تھے۔
۲۶	۱۰	دیا دیکھا	دیا اور کہا اندر آجا دیکھا
〃	۲۵	پشت	پست
۲۷	۴	والے) تھے)	والے تھے) اور
〃	۶	(النوفی) ہم	اور ہم
۲۸	۱	والے	ڈالے
〃	۱۱	پیر بوسونکے نقش ڈالتا تھا	چومتا تھا۔
〃	۲۲	امن	دامن
۲۹	۱۳	رفقاء سفر کے ساتھ	کسی معرکہ میں
〃	〃	زیفتہ	فریفتہ
〃	۲۲	سینوں اور شکموں	شکموں اور سینوں
۳۰		۱۲۰	۲۱۰
〃	۷	آسکی جانب سے	(اُس کی جانب سے)
۳۱	۵	کوئل	کوتل
۳۲	۲۵	حابس	حابس
۳۳	۲	کمینے	(کمینے)
〃	۷	(کسی) کا	(کسی کا)
〃	۲۵	در (رحمت نازل کرنے)	رحمت (نازل کرنے)
〃	۲۴	کہ تمام	تمام
۳۴	۳	ہوا ہو	ہو
〃	۱۹	کبڑے	کپڑے
〃	۲۰	ان کی	(اُن کی)
۳۵	۲۱	احسان کی	(احسان کی)
۳۷	۵	یعنی بھلا	یعنی بھلا،
۳۹	۸	سنہ ۵۴	سنہ ۵۴۰
۴۷	۱۴	ہوہیں	ہوئیں
۴۸	۵	رات کو	رات ہی کو
〃	۱۶	یہ واقعہ	اس کا یہ واقعہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۸	۱۷	بھی	یہی
״	۲۴	نقل کی ہیں	نقل کیا ہر
״	۲۴	اوران	اوروں
۴۹	۱	ان ہیں	اُن میں کی
״	۳	اورامور	اور جیا کے بعد امور
״	۳	سپرد	اس کے سپرد
״	۱۲	بندہ بندہ کر	باندھ باندھ کر
״	۱۶	اس کے	اسی کے
۵۱	۵	میں زملتے	فرماتے
۵۲	۱۰	کردیا تھا	کیا تھا
۵۴	۱۱	روتہ	روانہ
۵۵	۲۰	ہملوک	مملوک
۵۶	۱۹	سنہ ۶۵	سنہ ۶۹
۵۷	۱۶	مذکورہ	اور مذکورہ
״	۱۸	ماکم	حاکم
״	״	طاہر	ظاہر
۵۸	۲	راس	اس
״	״	راستہ	دراستہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۸	۱۰	گھنے	گھسنے
״	״	سے ہوگیا	سے روانہ ہوگیا
״	۱۸	سبا	پیا
۳۸	۲۲	عزیزالدین	عزالدین
۳۹	۳	صغیر	محمد
״	۶	جاکیر	جاگیر
״	۸	سنہ ۵۴	سنہ ۵۴۰
״	۱۴	محاصرہ کیا	محاصرہ کا ارادہ کیا
״	۱۸	مذکورہ	مذکورہ میں
״	۲۲	ن	ان
۴۰	۴	زمانہ	زمانہ میں
״	۵	ابن	ابق
۴۱	۲	سنہ ۵۶۹	سنہ ۵۵۹
״	۱۱	سنہ ۵۳۶	سنہ ۵۳۲
۴۲	۸	بڑے بیٹے	بڑے بیٹے علی بن شاور
״	۱۵	بر	پر
״	۶	بے	لئے
״	۲۴	قالی	خالی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲	۲۴	محض	محض اوہام و
۴۴	۱۹	امانت	اعانت
״	״	سنہ ۵۶۲	سنہ ۵۶۴
[illegible]	״	سنہ ۵۶۲	سنہ ۵۶۳
[illegible]	۱۴	کی ہیں	کی ہیں اصیاقی ترک کردیں
״	۱۸	لشکرکو	لشکر
۴۷	۸	سنہ ۵۶۵	سنہ ۵۶۴
۵۹	۲	شاحل	ساحل
״	۱۶	دریائی جنگی بیڑے منتشر کردیئے	گھوڑے بانٹ دیئے
״	۱۷	ابن شاہان شاہ	شاہان شاہ
״	۱۹	سح	منبج
״	۲۲	اور ۱۴	اور ۱۶
۶۱	۲۲	سنہ ۵۷۵	سنہ ۵۷۹
۶۲	۲	دیدیئے	دیئے
״	۵	سنہ ۵۷۵	سنہ ۵۷۹
״	۱۲	اردہ	ارادہ
״	۱۴	۴ رمضان	۴ شعبان
۷۴	۱۷	سنہ ۵۸۹	سنہ ۵۸۵

انتہائی توجہ کے باوجود بھی بعض حروف طباعت میں بگڑ کر کچھ سے کچھ بن گئے تھے۔ ایک جگہ چار نمبروں کا ترجمہ رہ گیا تھا بہت سی جگہ قوسین رہ گئیں تھیں بعض نوٹ رہ گئے تھے نیز جس "مقامات" سے ترجمہ کیا گیا وہ مصر کی چھپی ہوئی تھی جدید ایڈیشن اُس سے مختلف ہے اس لیئے ترجمہ میں کہیں کہیں اختلاف ہوگیا اور آخری کاپی ابھی پریس میں نہیں گئی تھی اس لیئے تمام نمبروں کو شروع سے آخر تک دوبارہ پڑھ کر یہ فہرست اضافہ کی گئی۔



اُردو ترجمہ

سرگذشت حاجی بابا اصفہانی

قدیم ایرانی تہذیب کا مُرقع، دلکش اور نصیحت آموز افسانہ

کئی سال سے یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے امتحان منشی فاضل اور مختلف یونیورسٹیوں کے ایم۔اے کورس میں داخل ہے۔ لیکن اب تک اس کا مکمل ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ کتاب روزمرہ کی جدید فارسی زبان میں ہے اسلئے طلبہ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اور ایک عرصہ سے اس کتاب کے ترجمہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ چنانچہ ادارۂ شرقیہ کی جانب سے گذشتہ سال مولانا محمد ادریس صاحب پرنسپل ادارۂ شرقیہ دہلی نے اس کا مکمل ترجمہ کیا اور سید اشفاق علی صاحب مالک رائل ایجوکیشنل بکڈپو نے اس کا صرف پہلا ایڈیشن مولانا کی اعانت سے شائع کیا ہے۔

ترجمہ کی اصل خوبیاں صرف دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ بالخصوص امتحانات کی تیاری کرنے والے طلبہ جس وقت اصل کتاب سامنے رکھ کر ترجمہ دیکھیں گے تو اُنھیں معلوم ہوگا کہ وہ کس قدر اُن کے لئے مفید ہے۔ ہر ہر لفظ اور فقرہ کا ترجمہ تقریباً تحت اللفظ کیا گیا ہے۔ جملوں کی ترتیب تک بھی اکثر نہیں بدلی ہے اور اس کے باوجود ترجمہ کی زبان سلیس اور بامحاورہ ہے۔

یہ کتاب بظاہر ایک افسانہ ہے۔ مگر حقیقت میں ایرانیوں کے کیرکٹر۔ اخلاق و عادات۔ طرز معاشرت اور رسم و رواج کی سچی تصویر ہے۔ اسکے افسانوں میں زبان کی شیرینی۔ انداز بیان کی لطافت عورتوں کی گھریلو زندگی اور روزمرہ کی گفتگو اس قدر دلچسپ ہے کہ ایک بار شروع کر کے بلا ختم کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ جہاں ایرانیوں کی تہذیب و کلچر کا مرقع ہے وہاں انگریزی حکومت کی دوسرے ممالک میں پالیسی کا بھی صاف اور واضح بیان ہے۔ جس سے اس کتاب کی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک بہت سی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

لکھائی چھپائی عمدہ سائز ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۳۲۰۔ قیمت صرف دو روپے (عہ)

تاریخ الحکما

اردو ترجمہ

تتمہ صوان الحکمت (عربی) و دُرّۃ الاخبار (فارسی)

برائے افادۂ طلبۂ امتحان منشی فاضل و مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی

امسال پنجاب یونیورسٹی نے تتمہ صوان الحکمت (عربی) مولوی فاضل کورس میں اور اس کا فارسی ترجمہ دُرّۃ الاخبار منشی فاضل کورس میں اضافہ کیا ہے۔ ادارۂ شرقیہ کے مقاصد کے پیش نظر مولانا محمد ادریس صاحب پرنسپل ادارۂ شرقیہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو اس وقت پریس میں جا چکا ہے۔ انشاء اللہ اس ماہ کے آخر تک تاجران کتب کے پاس پہنچ جائیگا۔

ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہونے کے باوجود تحت اللفظ ہے اور طلبہ اس کے بعد کسی اعانت کے محتاج نہیں رہ سکتے۔

یہ کتاب بجائے خود اردو لٹریچر میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے حکماء کی تاریخ کے علاوہ یہ اُن کے بیش قیمت زریں اقوال کا بہترین مجموعہ ہے مصنف اوّل ہر حکیم کے سیر حاصل احوال بیان کرتا ہے۔ بعد ازاں کافی تعداد میں اُسکے حکمت آموز اقوال نقل کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اپنی نوعیت کی بالکل نئی اور پہلی کتاب ہے۔ امید ہے کہ ارباب ذوق قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

کتابت طباعت اعلیٰ۔ کاغذ ۲۰ پونڈ چکنا۔ سائز ۲۰×۲۶/۸ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

تاجران کتب کو مکتبہ شرقیہ کی مطبوعات پر معقول کمیشن دیا جائے گا۔

مینیجر مکتبۂ شرقیہ، چاند بلڈنگ عقب جامع مسجد۔ دہلی